http://www.pakfunplace.com

شعلۂ گل

(شاعری)

احمد ندیم قاسمی

اساطیر۔ لاہور

http://www.pakfunplace.com

جملہ حقوق محفوظ

کتاب	شعلۂ گل (شاعری)
اہتمام	منصورہ احمد (اساطیر)
کتابت	محمد حسین شاہ
سرورق	آغا نثار
مطبع	شرکت پرنٹنگ پریس' نسبت روڈ' لاہور
تعداد	ایک ہزار
سنہ اشاعت	مارچ 2000 (چوتیسواں ایڈیشن)
قیمت	180روپے

اساطیر

میاں چیمبرز' 3 ٹیمپل روڈ' لاہور

فون 6304820

سبطِ حسن کے نام!

ع

ما و چراغِ چشم و رہِ انتظارِ دوست

http://www.pakfunplace.com

فہرست

تعارف ـــــ عبدالمجید سالک ، ۱۱
ایک نیا منصور ـــ ممتاز حسین ، ۱۵

(۱)

۱ ـ لمحہ بہ لمحہ ، ۲۷
۲ ـ صحرائے لبنان میں ، ۳۰
۳ ـ ناتمام ، ۳۲
۴ ـ انسان ، ۳۶
۵ ـ مجاز ، ۳۸
۶ ـ تاریخ کی آواز ، ۳۹
۷ ـ طلوع ، ۴۱
۸ ـ مہاراج ادھیراج ، ۴۴
۹ ـ ثواب سے گناہ تک ، ۴۵
۱۰ ـ آزادی کے بعد ، ۴۹
۱۱ ـ رات بیکراں تو نہیں ، ۵۱
۱۲ ـ جبر و اختیار ، ۵۳
۱۳ ـ آدمی ، ۵۶
۱۴ ـ نقادو ، ۵۷
۱۵ ـ پرانی جھنکار ، ۶۰
۱۶ ـ طیور آوارہ ، ۶۳
۱۷ ـ درانتی ، ۶۴
۱۸ ـ سفر جاری رہے ، ۶۶
۱۹ ـ موضوع ، ۶۷
۲۰ ـ انسان عظیم ہے ، ۷۰
۲۱ ـ جرسِ کارواں ، ۷۲

http://www.pakfunplace.com

۲۲ - فنونِ لطیفہ ، ۷۵
۲۳ - نغمۂ انسان ، ۷۶
۲۴ - بہار اور مہکار ، ۷۸
۲۵ - حسنِ تخلیق ، ۸۰
۲۶ - سمت ، ۸۲
۲۷ - تھپکی ، ۸۳
۲۸ - آخری کھنکتا گیت ، ۸۵
۲۹ - انسانیت ، ۸۷
۳۰ - افق ، ۸۸
۳۱ - گونج ، ۸۹

(۲)

۳۲ - قیاس ، ۹۳
۳۳ - مسافر ، ۹۵
۳۴ - ہرجائی ، ۹۷
۳۵ - پیکر ، ۹۹
۳۶ - اظہار ، ۱۰۱
۳۷ - ربط ، ۹۳
۳۸ - کھری کھری ، ۱۰۵
۳۹ - مری شکست ، ۱۰۷

(۳)

۴۰ - رفتارِ زمانہ ، ۱۱۱
۴۱ - بہار آئے گی ، ۱۱۲
۴۲ - جشنِ چراغاں ، ۱۱۵
۴۳ - ادب اور سیاست ، ۱۱۷
۴۴ - ترقی پسند مصنفین ، ۱۲۰
۴۵ - زنداں ، ۱۲۱
۴۶ - صحافیوں کے نام ، ۱۲۳
۴۷ - غمِ وطن ، ۱۲۵
۴۸ - یہ رات ، ۱۲۷

(۴)

۴۹ - عنفوانِ شباب ، ۱۳۱
۵۰ - پنشن ، ۱۳۲
۵۱ - مغویہ ، ۱۳۵
۵۲ - فن برائے فن ، ۱۴۱
۵۳ - ارتقاء ، ۱۴۳
۵۴ - خزاں کے پھول ، ۱۵۵
۵۵ - میں تمہارا ہوں ، ۱۵۹
۵۶ - وقت ، ۱۶۶
۵۷ - آخری فیصلہ ، ۱۶۹
۵۸ - ظلم کے خلاف لڑنے والے فنکاروں کے نام ، ۱۷۱

(۵) غزلیں

۱ - صبح میں دیکھتا ہوں شام کے آثار ابھی ، ۱۸۳
۲ - اگر حضور ابھی مائلِ ظہور نہ تھے ، ۱۸۵
۳ - بگاڑ ہو کہ بناؤ عجیب تیرے بھاؤ ، ۱۸۶
۴ - مرے لہو میں مری زیست کا لہو تو نہیں ، ۱۸۷
۵ - ابھی نہیں اگر انداز کا سپاس نہیں ، ۱۸۸
۶ - میں کب سے گوش بر آواز ہوں ، پکار بھی ، ۱۸۹
۷ - لبوں میں نرم تبسم رچا کے گھل جائیں ، ۱۹۰
۸ - بہ رزم گاہِ عناصر کسی کے کام آئے ، ۱۹۲
۹ - قریب رنگ عناں ہے جدھر نگاہ کروں ، ۱۹۳
۱۰ - پھر بھیانک تیرگی میں آ گئے ، ۱۹۴
۱۱ - دستِ گل چیں میں کھل رہی ہے کلی ، ۱۹۶
۱۲ - رس میں جو بات ہے وہ مس میں نہیں ، ۱۹۷

http://www.pakfunplace.com

۱۳ — گو مرے دل کے زخم ذاتی ہیں ، ۱۹۸
۱۴ — نہاں ہے محشرِ آہنگ زیرِ پردۂ ساز ، ۱۹۹
۱۵ — بن ہو، ابر ہو، تیز ہوا ہو ، ۲۰۱
۱۶ — افق تمام ہے تو حدِ نظر کا ذکر کریں ، ۲۰۲
۱۷ — بڑی مانوس لَے میں ایک نغمہ سن رہا ہوں میں ، ۲۰۴
۱۸ — ہجومِ فکر و نظر سے دماغ جلتے ہیں ، ۲۰۵
۱۹ — اگرچہ آج وہ اگلا سا التفات نہیں ، ۲۰۶
۲۰ — ہم اپنی قوتِ تخلیق کو اُگا سکے آئے ہیں ، ۲۰۷
۲۱ — چراغِ مردہ کو اک بار اور اکساؤں ، ۲۰۸
۲۲ — ہوا بھٹکتی رہے، میرا کارواں تو چلے ، ۲۱۰
۲۳ — یوں بیکار نہ بیٹھو دن بھر ۔ یوں پیہم آنسو نہ بہاؤ ، ۲۱۱
۲۴ — ندیم اگرچہ زمانہ ہے سرکشیدہ و (؟) ، ۲۱۳
۲۵ — نمی میں ڈوب کے ٹھنڈی ہوائیں آئی تو ہیں ، ۲۱۴
۲۶ — کیا ترے لطف کا معیار زباں بندی ہے؟ ، ۲۱۵
۲۷ — رخصت کے وقت کس لیے بہکنے لگے قدم ، ۲۱۶
۲۸ — آشوب بدل خاک بسر جاں بلب آئے ، ۲۱۷
۲۹ — ہوتا نہیں ذوقِ زندگی کم ، ۲۱۸
۳۰ — ہم سرمایۂ دامانِ چمن ، ۲۱۰
۳۱ — بہار جب بھی چمن میں دیئے جلاتی ہے ، ۲۲۱
۳۲ — میرے ہونٹوں پہ نہیں تیرے گلے ، ۲۲۲
۳۳ — رہے اسیرِ قفس در قفس بہار میں ہم ، ۲۲۳
۳۴ — دمک رہا ہے رخِ شام پر ستارۂ شام ، ۲۲۴
۳۵ — قرارِ جاں بھی تھی ، اضطرابِ جاں بھی تھی ، ۲۲۶
۳۶ — پلکیں گے پلٹ کے پھر داماں سے ، ۲۲۷

(٦)

۱ — مطلعے ، ۲۳۱
۲ — اشعار ، ۲۳۵

تعارف

ندیم اب اس منزل سے بہت آگے گزر چکا ہے، جس پر کسی ادیب اور شاعر کا تعارف ضروری ہوتا ہے۔ اس کی شاعری اکثر نقادانِ فن اور عام سخن فہم حضرات سے اعتراف اور تحسین کا خراج حاصل کر چکی ہے۔ لیکن اب اُس نے ایسی کروٹ لی ہے۔ کہ اس کی طرف سخن فہموں کی توجہ مبذول کرانا غالباً بے موقع نہ ہوگا۔

اُردو شاعری میں مقصدیت کے پہلے علمبردار خواجہ حالی ہیں۔ ان کے بعد اقبال نے اس تحریک کو بے انتہا تقویت دی، اور شاعروں اور ادیبوں کی ایک پوری نسل کو مقصدیت کا قائل بنا کر ادب اور زندگی کا رشتہ استوار کر دیا۔ میں بعض نئے نقادوں کی طرح مقصد کی عصبیت اور جانب داری کے مرض میں مبتلا نہیں ہوں کہ پرانے شعراء میں سے کسی کو رجعت پسند اور کسی کو ترقی پسند قرار دینے لگوں، اور اس امر کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر لوں۔ کہ کسی شاعر کا ماحول کیا تھا؟ اور اس میں زندگی کے تقاضے کیا تھے۔ میں تو صرف یہ دیکھتا ہوں کہ شاعر نے اپنے ماحول کو کس حد تک متاثر کیا، اور فکر کی رفتار کو کس حد تک معاصر زندگی کے مقصد اور تقاضے کے مطابق ترقی دی۔ بلاشبہ اقدار کی صحت مندی اولین معیار ہے۔ لیکن صحت مندی بھی تو بعض اوقات اضافی اور اعتباری ہو جاتی ہے۔ اگر حالی اور اقبال پیدا نہ ہوئے ہوتے، تو ظاہر ہے کہ اُردو کے شعراء کے لیے قدامت اور بے مقصدی کے جال سے مخلصی پا کر اُس منزل پر پہنچنا جس پر وہ آج ہیں، بے حد دشوار ہوتا۔

بلاشبہ اقلیمِ اُردو میں یہ عہدِ اقبال کا عہد ہے۔ اور اس کا اثر ہر گوشے پر چھایا ہوا معلوم

http://www.pakfunplace.com

ہوتا ہے۔ اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ مفکر، مبلّغ اور شاعر کی حیثیت سے اقبال کا پایہ بہت بلند ہے۔ ایسے عہد میں کسی نوجوان شاعر کا فکر اور اظہار دونوں دائروں میں اپنا ایک الگ رستہ نکال لینا اور پھر نقادوں سے اپنا لوہا منوا لینا حقیقت میں بہت بڑی کامیابی ہے۔ ایسی کامیابی کسی دوسرے درجے کے شاعر کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے کوئی نابغہ ہی درکار ہے۔ چنانچہ ندیم کے فکر کی رفتار اور اس کی جدّتِ اظہار اسی نابغہ کا پتہ دیتی ہے۔

میں ندیم کی شاعری کے ارتقا کی تمام منزلوں سے آشنا ہوں۔ میں نے اس کو گھٹنیوں چلتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ اور آج اس کے ثباتِ قدم اور سرعتِ رفتار کو بھی دیکھ رہا ہوں۔ اس کی شاعری اپنی اوّلیں منزلوں پر اگرچہ پرانوں کی سلامت روی اور روایت نوازی کا آئینہ تھی، لیکن اہلِ نظر اس میں مستقبل کے روشن امکانات دیکھ رہے تھے۔ اس کے بعد ایک ایسا زمانہ آیا جب شدتِ احساس، ناپختگیِ فکر اور ضعفِ اظہار تینوں نے مل کر ندیم کے ذہن میں بے شمار الجھنیں پیدا کر دیں۔ میں نے بارہا ندیم کے روبرو اس کی اس تمام نفسیاتی کیفیت کا تجزیہ کیا اور "جلال و جمال" کی بعض نظموں کی ژولیدگی اور عسیر الفہمی کی طرف توجہ دلائی۔ لیکن مجھے احساس ہوا کہ میں نے اس تجزیہ و تحلیل سے اس کی الجھنوں میں تخفیف کے بجائے کچھ اضافہ ہی کر دیا ہے۔ بہرحال میں نے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ یہ کیفیت غالباً سال ڈیڑھ سال سے زیادہ نہ رہی۔ اور مطالعہ، صحبت اور غور و فکر نے اس کے دماغ کے جالوں کو صاف کرنا شروع کیا۔ اب اسے اپنی شاعری کا مقصد واضح طور پر نظر آ رہا تھا۔ اس کے ذہن نے بہت سے مسائل کا حل تلاش کر لیا تھا وہ مابعد الطبیعی جنگلوں سے نکل کر طبیعی فضا میں سانس لینے لگا تھا۔ اوہام کی جگہ حقائق نے لے لی تھی۔ "خدا اور انسان"، "انسان اور انسان" اور "انسان اور فطرت" کے روابط اس کی سمجھ میں آنے لگے تھے، اور اس کے دماغ میں ایک تندرست اور صحت مند ذہن پرورش پا رہا تھا۔

اس دور کی نظموں میں ظلمت اور پیچیدگی بہت کم ہو چکی تھی۔ روشنی کی کرنیں جابجا پھوٹ

رہی تھیں۔ زندگی کے سنگین حقائق، انسان کے بنیادی مصائب اور ان کے مداوا کا عرفان صاف نظر آ رہا تھا۔ اس کی انسان نوازی قدم قدم پر اجاگر ہو رہی تھی۔ اور اس نے جبر و استبداد، عدمِ مساوات، استحصال اور نام نہاد تہذیبِ انسانی کے جہل کے خلاف احتجاج شروع کر دیا تھا۔

"شعلۂ گل" میں ندیم کا اسلوبِ اظہار "جلال و جمال" کے مقابلے میں بہت واضح، دلنشیں اور قطعی ہے۔ فکر بھی جہل چھلا کر اور ترش ترشا کر ایک نظر فریب پیکرِ کامل کی شکل میں جلوہ گر ہے اب اس مجموعے کو پڑھ کر کوئی شخص یہ نتائج نکالے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ندیم انسان کی عظمت کا بہت بڑا معترف ہے۔ وہ ساری کائنات کو انسان کے مغلوبات و مسخرات کا مجموعہ سمجھتا ہے۔ وہ شہنشاہی، جاگیرداری، سرمایہ داری، جبر و ظلم اور استحصال کا سخت دشمن ہے۔ وہ معاشرے میں بہت بڑا انقلاب دیکھنا چاہتا ہے تاکہ انسان اس سطحِ ارضی پر اپنی تقدیر کا مالک آپ بن جائے۔ وہ پرانی اقدارِ تمدن پر بے پناہ حملے کرتا ہے۔ اور ان اداروں کو پاش پاش کر دینا چاہتا ہے۔ جو انسان کی غلامی، مظلومی اور ذلت کے باعث ہوئے ہیں۔ غرض اس کا فکر ایک فکرِ تازہ اور اس کا احساس ایک احساسِ جدید ہے۔ وہ محبت کو بھی ناقدانہ نظر سے دیکھتا ہے۔ جذباتیت کو علوِّ ادراک کے ماتحت رکھنا چاہتا ہے۔ بلاشبہ اس کے نزدیک فطرت بے حد حسین ہے۔ اور عورت تمام مظاہرِ فطرت سے زیادہ حسین ہے لیکن اس معاملے میں اس کا احساس مریضانہ نہیں۔ وہ خود گدازی کا قائل نہیں، آہن گدازی کا نقیب ہے۔ اس کی غزل کا نقشہ بھی کھرا کھرا ہے۔ پرانے غزل گوؤں کے کلام کی طرح چپٹا نہیں۔ اس کی غزل میں سوز تو ہے، لیکن گداز نہیں۔ درد تو ہے لیکن نالہ نہیں۔ بلاشبہ پرانے نقادوں اور شاعروں کو ندیم کے کلام کے مطالعہ میں اکثر ٹھوکریں لگیں گی انھیں جابجا چونکا دینے والے خیالات ملیں گے۔ جو انھوں نے پہلے کبھی نہیں سنے۔ وہ بدیع و جدید

اسالیب اظہار نظر آئیں گے جن کو وہ قدیم فنِ بلاغت کے مطابق نہ پائیں گے۔ ندیم کی تشبیہات، ندیم کے استعارے، ندیم کے کنائے، "حدایق البلاغت" کے دائرے سے اکثر تجاوز کرتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ لیکن جن کو ادب و شعر کی تاریخ اور اس کے عہد بہ عہد ارتقا کا معمولی علم بھی ہے، وہ ندیم کی جدت و بداعت کا خیر مقدم کریں گے۔ ندیم نے ہماری شاعری میں نہایت گراں بہا اضافہ کیا ہے۔ اس نے اظہار کے کئی نئے راستے دکھائے ہیں۔ وہ وزن و بحر اور قافیہ ردیف وغیرہ کے معاملے میں بھی صرف اسی قدر تجاوز یا انحراف کا روادار ہے، جو ہماری شاعری کے مزاج کے مطابق ہو۔ وہ الفاظ کے انتخاب میں بے حد محتاط ہے۔ وہ اُن کی موسیقی کو بھی سمجھتا ہے اور بعض اوقات ان کے محلِ استعمال میں ایسا اجتہاد کرتا ہے کہ پرانے منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔ انھیں انکار و اعتراض کی جرأت نہیں ہوتی۔

میں سمجھتا ہوں کہ "شعلۂ گل" ندیم کی شاعری کے تیسرے دَور کا "سنگِ میل" ہے اور اس کی شاعری اب اپنے نقطۂ کمال کے قریب پہنچ گئی ہے۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔ اسے ابھی اس وادی کے بڑے بڑے میدان طے کرنے ہیں۔ میں نے "جلال و جمال" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ

"ایشیا کے افق پر ایک عظیم شاعر نمودار ہوا ہے"

"شعلۂ گل" نے میرے اس فقرے کی صداقت واضح کر دی ہے۔ اور ندیم کے آئندہ مجموعے متعصب سے متعصب منکر کو بھی اس حقیقت کا قائل بنا دیں گے کہ وہ حقیقت میں ایک عظیم شاعر ہے۔

کراچی۔ ۶ ستمبر ۱۹۵۲ء

عبدالمجید سالک

ایک "نیا منصور"

میں کوئی سائنس دان نہیں لیکن میرا مزاج ایک سائنس دان کا ہے۔ احمد ندیم قاسمی کوئی مذہبی آدمی نہیں لیکن ان کا مزاج مذہبی ہے۔ ممکن ہے مجھے یہ فرق اس لیے نظر آتا ہو کہ وہ شاعر ہیں اور میں ایک معمولی نثر نگار۔ ان کا کام احساسات کو قلمبند کرنا۔ ان احساسات کو بھی چھُونا جو کبھی کبھی ادراک کی دسترس سے بھی باہر معلوم ہوتے ہیں۔ اور میرا کام صرف ادراک کی رہبری میں ان احساسات کو سمجھنے کی کوشش کرنا جنھیں وہ یا دوسرے شعرا اشعار کے قالب میں ڈھالتے ہیں لیکن بات صرف اتنی ہی نہیں ہے۔ تھوڑا سا ہم دونوں کا اندازِ نظر مختلف ہے۔ لیکن وہ جزوی اختلاف زندگی اور فن کے میدان میں اتنا غیر اہم ہے کہ میں نے آج تک اس پر غور بھی نہیں کیا کہ یہ شخص جو انقلاب کا نقیب، ارتقا کا پرستار، ظلم و استحصال کا مخالف اور انسانیت کا شیدا ہے، ایک آدھ باتوں میں مجھ سے کچھ مختلف رائے رکھتا ہے اور یہ اختلاف مجھے اس لیے بھی نظر نہیں آیا کہ میں رومان رولاں، ڈین آف کینٹربری اور گورکی کی منزلوں میں کوئی خاص فرق نہیں نکال پاتا ہوں۔

http://www.pakfunplace.com

بہر حال اب جبکہ یہ مجموعہ شعلۂ گل "کتاب الطواسین" ہی ٹھہری تو اس بات کے اظہار میں حرج ہی کیا ہے جو میرے اور ان کے طریقِ فکر میں تنوع پیدا کرتی ہے، جو مختلف راہوں کو ایک ہی منزل سے ملاتی ہے۔ میں اس کائنات میں صرف ایک ہی طاقت کو دیکھ پاتا ہوں۔ وہ طاقت انسان کی ہے جو باوجود جزوِ فطرت ہونے کے فطرت کا خالق بھی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ حیات فطرت کے ارتقاء کی ایک حسین اور ابھی تک کسی قدر پُر اسرار تخلیق ہے لیکن اس تخلیق سے زیادہ شاندار انسانیت کی تخلیق اور انسان کا ارتقاء ہے اور یہ کارنامہ حضرتِ انسان کا اپنا ہے۔

ع "لالہ و گل کہاں سے آئے ہیں" اس ذوقِ تجسس کو اسی نا آفریدہ (رومی) انسان نے جنم دیا ہے۔ کسی کھوہ یا غار میں بیٹھ کر نہیں بلکہ چلچلاتی دھوپ اور یخ بستہ سردیوں میں اپنے وجود کو زندہ رکھنے اور جماعتی اعتبار سے ترقی کرنے کے طریق کار میں۔ وہ تمام پُر اسرار سائے جو کہکشاں کے خیابانوں سے چھپ چھپ کر نکلے، کف آلود سمندر کی موجوں پر ناچتے تھرکتے آئے اور ہمارے اعصاب پر احساس بن کر چھا گئے۔ فطرت اور انسان کے ایک سماجی رشتے سے پیدا ہوئے تھے۔ وہ رشتہ غالب اور مغلوب کا تھا نہ کہ خالق اور مخلوق کا۔ اور اب جبکہ انسان فاتح اور فطرت مفتوح ہوتی جا رہی ہے، وہ سارے احساسات جو اعصاب سے گزر کر دل و دماغ میں اُتر چکے تھے حتیٰ کہ نظامِ فکر میں ڈھل چکے تھے، اب ایک نئی نفسیاتی بالیدگی میں تبدیل ہو رہے ہیں۔ اب وہ خوف و دہشت اور احساسِ کمتری پیدا کرنے کے بجائے اس احساس میں تبدیل ہو چکے ہیں کہ آسمان کی پہنائی وہ نہیں جہاں تک ہماری نظر جاتی ہے اور ذرات کی ماہیت وہ نہیں جو بظاہر نظر آتی ہے۔ اس کے برعکس

آج انسان کی نگاہیں ان بے شمار کرۂ نور اور حقیقتوں کو دیکھتی ہیں جو کبھی ہماری نگاہوں سے اوجھل تھیں۔ کیا اس سے اس بات کا یقین نہیں بڑھتا ہے کہ حقیقت کے تمام پردے روز بروز اٹھتے جائیں گے اور وہ تمام رازہائے سربستہ جن کے بارے میں یہ گمان تھا کہ "کس نکشود و نکشاید" آج کھلتے جا رہے ہیں۔ مادی علوم کے جلو میں نہ کہ کسی صاحبِ نظر کی رہنمائی میں؛ زندگی کا لطف حقیقت کے چہرے سے نقاب اُلٹنے میں ہے نہ کہ اس خوف اور دہشت میں مر مر کر جینے میں کہ نہ جانے اس نقاب کے پیچھے کون سی طاقت ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ حقیقتوں کے پردے کسی صاحبِ کرامات کی نظر نے نہیں اُٹھائے ہیں؛ جبکہ آج تک کوئی صاحبِ نظر ابر و باد و باراں کو اسیر نہ کر سکا، تانبے کو سونے میں اور مشتِ خاک کو عنبر و یاقوت میں تبدیل نہ کر سکا۔ اس سے یہ توقع رکھنا کہاں کی دانشمندی ہے کہ وہ کہکشاں کی گتھیوں کو سلجھائے گا اور وجودِ عالم، حیات و ممات اور ارتقا پر روشنی ڈالے گا۔ کیا یہ تلخ حقیقت تاریخ کے صفحات سے یہ اعلان نہیں کرتی کہ ہمارا صوفی جو کبھی جدلیاتی مفکر اور کیمسٹ بھی تھا جب امام غزالی کی کوششوں سے یونان کے مادی علوم سے محروم ہو گیا تو ہمارے معاشرے سے اس کی افادیت بھی زائل ہو گئی۔ وہ سوفسٹ ہونے کے بجائے صرف صوفی صافی رہ گیا۔ اس کی انسان دوستی نسبتاً ہمیں عزیز ہے۔ لیکن اس کی پادر ہوا روحانیت اور بے علم عبادت کے ذریعے ہمیں اتنا ہی نقصان پہنچا ہے جتنا کہ صاحبانِ شریعت کی کجکلاہی، تنگ نظری اور علم دشمنی سے پہنچا ہے۔

اس چیز کا تذکرہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ احمد ندیم قاسمی حلاج، حافظ، رومی اور محی الدین ابن العربی کی طرح وحدت الوجودی عقیدے کے قائل ہیں۔

http://www.pakfunplace.com

نیرنگیاں، تجلیاں محض فریبِ امتیاز
ایک ہی آفتاب جب مبدءِ معجزات ہے

اور وہ اسی راہ سے ان بزرگوں کی طرح انسانیت کی وحدت کے بھی قائل ہیں۔ لیکن ان کا یہ عقیدہ بجز چند نظموں کے اور کہیں عام نہیں۔ اس کے برعکس ان کے سامنے براہِ راست انسانی تاریخ کے معرکے اور دورِ حاضر کے انسانوں کی وہ زندگی ہے جو ظلم و جبر، استحصال، غلامی اور نسلی اور ملی تنفر کے خلاف جد و جہد کر کے انسانیت کو ایک نئی وحدت کے رشتے میں پرو رہی ہے۔

احمد ندیم قاسمی کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر خدا کے تصور کو سزا و جزا، قانون اور شریعت جنت اور جہنم مختصر یہ کہ ایسے تمام تصورات سے آزاد کر دیا جائے جن سے استحصال کو قائم رکھنے، سماج میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کرنے اور سائنس کی قدروں کو آگے بڑھانے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے تو خدا، انسان کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔ یہ خیال کچھ احمد ندیم قاسمی ہی کا نہیں ہے بلکہ بہت سے دوسرے انقلابی شعرا کا رہ چکا ہے۔ اس کی ایک مثال سوویٹ روس کے انقلابی شاعر بورس پیسترناک کی ذات میں بھی ملتی ہے وہ تمام عمر وحدت الوجودی عقیدے کا حامل رہا۔ لیکن انقلاب سے پہلے اور انقلاب کے بعد ہمیشہ ہی اشتراکی انقلاب کی حمایت کرتا رہا۔ بہر حال جہاں تک احمد ندیم قاسمی کا تعلق ہے انھوں نے اپنی ایک نظم میں اسی عقیدے کے ماتحت انسان اور خدا کا موازنہ اس طرح کیا ہے کہ خدا کا انسان کی راہ میں حائل ہونا تو ایک طرف رہا، انھوں نے انسان کو زیادہ حسین اور طاقتور بتلایا ہے ؎

تو سنگ ہے اور وہ شرر ہے ۔۔۔ تو آگ ہے اور وہ اُجالا
تو نم ہے نمو کا پاسباں وہ ۔۔۔ تو دشت ہے وہ چراغِ لالہ

انساں نے تجھے حسیں بنایا
انسان عظیم ہے خدایا

تو مینِ حیات ہے مگر وہ ۔۔۔ تزئینِ حیات کر رہا ہے
اس پر ہے غلط فنا کا الزام ۔۔۔ سامانِ ثبات کر رہا ہے

اب جینے کا ڈھب سمجھ میں آیا
انسان عظیم ہے خدایا

تو وقت ہے روح ہے بقا ہے ۔۔۔ وہ حسن ہے رنگ ہے صدا ہے
تو جیسا ازل میں تھا سو اب ہے ۔۔۔ وہ ایک مسلسل ارتقا ہے

ہر شے کی پلٹ رہا ہے کایا
انسان عظیم ہے خدایا

یہاں احمد ندیم قاسمی کی فکر علامہ اقبال کی فکر سے زیادہ بلند ہو جاتی ہے۔ یوں تو علامہ اقبال بھی حلاج اور محی الدین ابن العربی کے خیالات سے کافی متاثر تھے، اور انھوں نے بھی انسانی عظمت کے ترانے گائے ہیں، لیکن جب وہ امام غزالی اور مجدد الف ثانی سرہندی کے ہاتھوں پر بیعت کر لیتے ہیں اور اس رو میں مادی فلسفے سے کنارہ کش ہونے لگتے ہیں تو وہ اپنے عظیم انسان کو نیابتِ الٰہی کا کچھ ایسا پابند کر دیتے ہیں کہ اس کی ساری پرواز بے معنی سی معلوم ہونے لگتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ آپ اس کی شعور آزمائی کو ایک ایسے روحانی ارتقا کا نام دے سکتے ہیں جو مادی فتوحات اور مادی علم سے کٹ کر صرف منطقی دائرے میں گھر کر رہ جاتی ہے۔ بات کہنے کو اور وہ بھی شعر میں بڑی اچھی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن زندگی پابہ جولاں، رینگتی، سسکتی پرانے ہی رشتوں میں ہر پھر کر اسیر رہتی ہے۔

http://www.paktunplace.com

قاسمی نے اس متشرع صوفیانہ روایت سے علٰحدہ اپنی راہ نکالی ہے۔ وہ دورِ حاضر کے اس طبقے کو اپنے خالق کے پہلو میں بٹھانا چاہتا ہے جس کی محنت سے سینۂ گیتی میں نور چمکا ہے، اور روح پیدا ہوئی ہے اور جس کے بازوؤں کی صلابت اور علم کی حدت سے لوہا پانی کی طرح پگھل کر انسانی تخیل کے سامنے ایک نئی صورت کا منتظر رہتا ہے۔ یہ اسی طبقے کی کڑی جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ انسان شعوری طور پر اپنی تاریخ کا خالق بن رہا ہے اور یہ اسی کے دست و بازو کی پیہم محنتوں کا نتیجہ ہے کہ زمان و مکان دونوں ہی آج اپنے بازوؤں کو پھیلانے اور سمیٹنے کی انسان سے اجازت طلب کر رہے ہیں ؎

مجھے محنت کشوں کو دہر کا آقا بنانا ہے
مجھے تخلیق کو خالق کے پہلو میں بٹھانا ہے

وہ اُٹھے قافلہ در قافلہ پورب سے پچھم سے
وہ لپکے کارواں در کارواں اقصائے عالم سے

ملوں سے، مرغزاروں سے، بنوں سے، کوہساروں سے
دکانوں سے، گھروں سے، علم و دانش کے اداروں سے

خلش ان کے دلوں میں، اجتہاد ان کی نگاہوں میں
بچھی جاتی ہیں جمہوری روایات ان کی راہوں میں

مرا فن ان کی عظمت کا جب استقبال کرتا ہے
تو استحصال مجھ پر کفر کا الزام دھرتا ہے

اگر یہ کفر ہے اس کفر کو ایماں بناؤں گا
گجردم، ظلمتِ شب کے ترانے میں نہ گاؤں گا

یہ جو ندیم کے لہجے میں تیزی پیدا ہوئی ہے وہ اس کی رسیلی اور مدھم طبیعت کے خلاف توقع ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کی آواز اتنی بلند نہ ہوتی اگر اس کے مخصوص ماحول نے زندگی کا ساتھ دینے پر اسے عقیدوں سے ڈرایا دھمکایا نہ ہوتا۔ اور اگر استحصال کی طاقتوں اور حکومت کے جبر نے عین اس وقت جبکہ وہ تزئینِ حیات میں مصروف تھا، اس کے پاؤں میں زنجیر نہ ڈالی ہوتی۔ بہرحال اس کی آواز کی تیزی اس بات کا اشارہ ہے کہ اگر خدا کے نام پر انسانوں کو استحصال اور غلامی سے آزاد ہونے میں روکا گیا تو وہ ایسے جلال و جبروت کا ساتھ دے گا کہ دار و رسن اور جیل کی دیواریں تو ایک طرف رہیں ایٹم بم کو بھی روندتا ہوا ان لوگوں کے گریبانوں تک جا پہنچے گا جو اسے غلام رکھنے کی مختلف راہیں ڈھونڈھتے ہیں۔ اس جلال کی ایک ہلکی سی جھلک قاسمی کے ان اشعار میں موجود ہے۔

آج سلجھائے گی جمہور کی آواز سے
تم نے تاریخ میں جس بات کو الجھایا ہے

اب مرا ذوق کسی قید کا پابند نہیں
تم نے صدیوں مرے وجدان کو ترسایا ہے

نوعِ انساں کے نئے عزم کی تکریم کرو
جب کہ ذرہ بھی قیامت کی خبر لایا ہے

تم ہی کہہ دو کہ سمندر ہے کفِ آلودہ ساقیو
کیا چٹانوں سے سفینہ کوئی ٹکرایا ہے

قاسمی جلال و جمال دونوں ہی کا شاعر ہے۔ اور وہ زندگی کے ان دونوں پہلوؤں کو نظم اور غزل میں یکساں طور پر پیش کرتا ہے۔ پھر بھی یہ ماننا پڑے گا کہ جمالیاتی قدروں کا جتنا نکھار ان کی غزلوں میں ہے وہ نظم میں نہیں ہے۔ غزل کے بارے میں مختلف لوگوں کا خیال ہے کچھ لوگ اس کے کینوس کے اختصار اور اس کی اشاریتی زبان کے باعث اس کے مستقبل سے مایوس ہیں، کچھ لوگ ان دنوں کی مخصوص سیاسی فضا اور ہماری ادبی روایات کی تنگ دامنی کے مدِ نظر اس کے مستقبل سے

www.pakfunplace.com

بڑی اُمیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔ یہاں میں ان دونوں پر کسی تنقید کے بغیر صرف اس حقیقت کا اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ ادھر سال دو سال میں ہماری غزلوں میں ایک ایسی توانائی اور نکھار پیدا ہو گیا ہے جس کی توقع بہت کم لوگوں کو تھی۔ غزل میں سیاسی فضا کو ضم کرنے کی کوشش بہت دنوں سے کی جا رہی ہے، لیکن اس میں جو گھلاوٹ اور حلاوت ان دنوں پیدا ہو چلی ہے وہ اگلے وقت کی سیاسی رنگ کی غزلوں میں نہیں ملتی۔ اس رنگ کو چمکانے میں اگر ایک طرف فراق گورکھپوری اور فیض احمد فیض کا ہاتھ ہے تو دوسری طرف احمد ندیم قاسمی کا بھی ہاتھ ہے۔ قاسمی کا خیال ہے کہ "شاعری حقیقت کا سنگھار" ہے۔ اور ترنم شاعری کا زیور ہے۔ میں قاسمی کے اس خیال سے بالکل متفق ہوں اور بھلا اتفاق کیوں نہ کروں، جبکہ انھوں نے اپنے اس دعوے کو عملی اعتبار سے پیش کیا ہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد کی سیاسی فضا کو جس حسن و نغمہ کے ساتھ انھوں نے غزل کا لباس پہنایا ہے، کچھ اُنہی کا کام ہے۔ ان کا پیرایۂ بیان کس قدر لطیف اور ابہام سے پاک و صاف ہے ؎

پھر بھیانک تیرگی میں آ گئے ہم گجر بجنے سے دھوکا کھا گئے
ہائے خوابوں کی خیاباں سازیاں آنکھ کیا کھولی چمن مرجھا گئے
کس تجلی کا دیا ہم کو فریب کس دھندلکے میں ہمیں پہنچا گئے
پھر وہی اختر شماری کا نظام ہم تو اس تکرار سے اُکتا گئے
آدمی کے ارتقا کا مدعا وہ چھپاتے ہی رہے ہم پا گئے
اب کوئی طوفاں ہی لائے گا سحر اُف آب اُبھرا تو بادل چھا گئے

قاسمی کی غزلوں میں یہ لطافت اور حلاوت بنیادی طور پر اس بات سے پیدا ہوئی ہے کہ وہ اپنے شعور کو اس راہ سے گزارتا ہے۔ جس پر لاکھوں ہی دل تڑپے

اور دھڑکے ہیں اور جہاں احساسات کے کشتے صرف ایک زبان کے متمنی ہوتے ہیں۔ قاسمی کی شاعری انہی لکھوکھا انسانوں کے جذبات کی ترجمانی کرتی ہے لیکن اس انداز سے نہیں کہ جذبات خیالات کی صداقت میں بندھ نہ سکیں اور احساسات مبہم تاثرات کے دھندلکے میں پٹ کر رہ جائیں۔ قاسمی نے یہیں پر غزل میں اپنے لیے ایک نئی راہ نکالی ہے ؎

ستارے کون چنے گا بدستِ زخم آلود
چلو غبارِ سرِ رہگزر کا ذکر کریں

یہاں اس کا شعور اور وجدان (جس کا وہ قائل ہے) ایک اکائی میں سمٹ کر پوری زندگی کا ترجمان ہے۔ یہ شعر فکری اعتبار سے کتنا بلند اور ساتھ ہی ساتھ احساسات کی کتنی لطافتوں کا حامل ہے۔

قاسمی کی شاعری میں جہاں انسانوں کی دُکھی زندگی کا عکس ہے جو زندگی کے خالق اور معمار ہیں وہاں زہرہ جبینوں کا وہ لطفِ خرام اور آرائشِ کاکل بھی ہے جو بہیمت کو تہذیب، سختی کو نرمی اور ہوس کو خلوص میں بدل دیتی ہے۔ قاسمی کی عشقیہ شاعری بڑی پاکیزہ اور طاہر ہے۔ اور اس طہارتِ نفس کا نتیجہ ہے جو روح اور جسم کو پیوند کر کے محبت کرنے کا چلن بتاتی ہے۔

قاسمی نے چھتیس سال کی عمر میں شاعرانہ فکر کی جن بلندیوں کو چھوا ہے۔ وہاں تک رسائی اس عمر میں بہت کم شعراء کو ہوئی۔ لیکن میں اس بات پر مسرور ہونے کے بجائے اس سے خوش ہوں کہ اب ان کی روح جوان ہو چلی ہے۔ اب انھیں اس کا بھرپور احساس ہوا ہے کہ یہ انسان اپنی خود نگری اور خود سفری میں کس قدر جمیل و جلیل ہے اور اس کے فکر کی کمند کس قدر بیباک اور یزداں شکار ہے۔ اس انسان کو شاعری کا ہیرو بنانے کے لیے انھیں ابھی اس کے فکر اور قوت کی بلندیوں کو چھونا ہے اور اپنے خیالات کے اظہار

http://www.Pakfunpage.com

کے لیے ایسے پیکر تراشتے ہیں جو تخیل کی خود ساختہ حکایت کے روپ میں ہوں۔ یہ پیرایۂ بیان یا فارم فکری شاعری کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ انھیں الفاظ کے انتخاب اور ان کے دروبست پر وہ اقتدار حاصل کرنا ہے جو کسی بھی عظیم المرتبت شاعر کا خاصہ ہوتا ہے۔ الفاظ کی حیثیت ان ناشگفتہ پھولوں کی ہے جو خیال کی تحریک سے بقدرِ حکم اپنی پنکھڑیوں کو کھولتے اور سمیٹتے ہیں۔ قاسمی روز بروز اس فن کاری کی طرف بھی بڑھتا جارہا ہے۔ مجھے وہ دن دور نظر نہیں آتا جبکہ یہ آوازیں سنائی دیں گی: "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب" کس کی دلیل؟ مردِ مومن کی دلیل میں انسان کی دلیل، جو کامل بھی ہے اور ناقص بھی۔ اور جس کی بستی میں ساری گیتی جہاں حیات تخلیق کی جارہی ہے اور جہاں آزادی کے لیے جدوجہد ہو رہی ہے۔ قاسمی کا یہی اسلام اور یہی کفر ہے۔ اس پر تنقید کرنے سے پہلے اس کے اس شعر کو نہ بھولیے ؎

آزادیوں کا زمزمہ خواں ہے مرا کلام
محکوم دستِ جرأتِ نقد و نظر نہ کر

کراچی۔ ۲۱ر جولائی ۱۹۵۲ء

ممتاز حسین

(۱)

عجب کہ حوصلۂ روزگار بر تابد
اگر بروں فگنم آنچہ در درونِ من است

(فیضی)

http://www.pakfunplace.com

لمحہ بہ لمحہ

ریستوراں کے فرش پہ لرزاں سائے رقاصاؤں کے
ذہن میں جیسے گڈ مڈ ہو کر ناچیں راز خداؤں کے
چھنن چھنن چھن! — اے رقاصہ! فن پر یہ آوازے کیوں؟
جس کی لَو سے پھول لجائیں اُس چہرے پر غازے کیوں؟
یُوں تک جیسے چاند کی کرنیں، یُوں سُن جیسے ربِّ قدیر
وقت کے اس لمحے کا تاثر عالم گیر ہے عالم گیر!

(۲)

راوی کی لہروں پہ رواں ہیں قاشیں چاند ستاروں کی
کس منزل کو لپکی یہ نورانی فوج سواروں کی
چپ شپ! — جھکتے تنتے مانجھی! تجھ کو سبک ڈانڈوں کی قسم
دھیرے دھیرے، ہولے ہولے کاٹ یہ ابرو کا سا خم
یوں مُڑ جیسے پھول کی پتی، یوں چل جیسے سرگوشی
وقت کے اس لمحے کا تقاضا مدہوشی ہے مدہوشی

http://www.pakfunplace.com

(۳)

کھیتوں کی ہریاول پر یہ دھبّے ہیں دہقانوں کے
یا کھیتی نے اُگلے بوسیدہ تابوت انسانوں کے
سر پر دھوپ! دھوپ! اے محنت کش! چھوڑ درانتی توڑ کدال
چاک ہوئی دھرتی کی چھاتی، مجھ کو اس محشر سے نکال
چار طرف سے گھیر چکے ہیں جلتی سانسوں کے پیچاک
وقت کے اس لمحے کی حقیقت آتش ناک ہے آتش ناک

(۴)

یہ کس راجہ کا ایواں ہے جلنے کے انباروں میں
جیسے بلوائی کی بیٹھک لُٹے ہوئے بازاروں میں
اُلٹی سانسیں، اٹکی آہیں! اے راہی! یہ راز ہیں کیا!
پچکے پیٹ، دریدہ رانیں، زیست کے یہ انداز ہیں کیا!
راجہ اُٹھا ڈال کے اپنی مٹھی میں فردا کا نظام
وقت کے اس لمحے کا ارادہ خون آشام ہے خون آشام!

(۵)

معصوم انساں کے لاشے پر فتح کے پرچم لہرائے
استبداد کی جنگ کنی میں کتنے انسان کام آئے
ہاریں استبدادی قومیں، لیکن کس کی جیت ہوئی
یورپ کی بے رحم سیاست پورب کی کب میت ہوئی
تمغوں کی تقسیم ہوئی ہے پورب کے بلوانوں میں
"مالِ غنیمت" سمجھا ہے یورپ کے تمدن خانوں میں

(۶)

نومیدی کی دھند میں غلطاں جگنو احساسات کے ہیں
اوس کے پرّاں قطرے ہیں یا تارے پچھلی رات کے ہیں
جگنو اُڑتے شعلے بن کر دھرتی سے ٹکراتے ہیں
جھلمل جھلمل، ڈگمگ ڈگمگ، ہچکولے سے آتے ہیں
موت سے بھڑ جانے کے ارادے اور جینے کی تیاری
وقت کے اس لمحے کا بلاوا بیداری ہے بیداری

۱۹۴۶ء

http://www.pakfunplace.com

صحرائے لیبیا میں

ریگِ زریں کے لبادے کو اُڑاتا رینگا
اک سیہ فام سپاہی کا پرانا ڈھانچا
اک فرنگی کی نئی لاش کے نزدیک رُکا
اور پرکھا کبھی سینہ، کبھی سر کو جا پہنچا

دیر تک کھوکھلی آنکھوں کی ترازو تھامے
اس کا روندا ہوا، جھلسا ہوا پیکر تولا
ہڈیاں بجنے لگیں، جھڑنے لگے انگارے
جب وہ چٹخے ہوئے جبڑے کو ہلا کر بولا

"میرا صحرا، مرا آسیب، مرا سناٹا
آج آباد ہوا ہے ترے دم سے ہمدم
میری پستی بھی غلط، تیری بلندی بھی غلط
موت نے زیست کے زخموں پہ رکھا ہے مرہم

تُو نے افرنگ کی شاہی کی قسم کھائی تھی
میں نے شاہی کی تباہی کی قسم کھائی تھی
متفق کون نہیں اس پہ کہ ہم دونوں نے
ایک مجبور سپاہی کی قسم کھائی تھی

"زندگی چند عقیدوں کے سوا کچھ بھی نہیں
ان عقیدوں کے تصادم سے ہے عالم میں بہار
کتنی دلچسپ حقیقت ہے یہ اضداد کا حُسن
میرے چہرے کی سیاہی، ترے چہرے کا نکھار

"رنگ اور نسل کا یہ سحر تو ٹوٹا لیکن
اسی شدت سے ہے قائم تری بیگانہ روی
کتنا شاداب نظر آئے یہ صحرائی مزار
چاکِ ہستی کی اگر مل کے کریں بخیہ گری

"ایک ہی قطرے کا اعجاز نہیں فوارہ
ایک گھر سے نہیں بستا کوئی قریہ، کوئی شہر
سات رنگوں کے مرکب سے کرن بنتی ہے
ایک ہی رنگ نہیں باعثِ رنگینیٔ دہر"

۱۹۳۶ء

http://www.pakfunplace.com

ناتمام

کنول کی پیالیوں کو دھول سے لبریز کرنے کو
ہوائیں جھاڑیوں کی آڑ میں گھاتیں لگاتی ہیں
افق پر مرتسم شہوت کے موہوم سائے کو
اُبھرتے چاند کی کرنیں نمایاں کرتی جاتی ہیں
یہ جگنو اُڑ رہے ہیں، یا بقا کی طعنہ زن پریاں
پلوں کو لوٹ کر میری فنا پر مسکراتی ہیں
ستارہ ٹوٹتا ہے، تیرگی کا پیٹ بھرتا ہے
ارادے پھُولتے ہیں، قسمتیں طوفاں اُٹھاتی ہیں
مجھے معلوم ہے، یہ پھول کانٹوں کے نشیمن ہیں
مگر گل چینیوں سے کب امنگیں باز آتی ہیں

نہیں اے ہم نفس! میں جنتِ عرفاں سے باز آیا
مجھے حسنِ مجسم کا یقیں آئے تو کیوں آئے!

زمیں پر اس لیے بھیجا گیا ہے ابنِ آدم کو
کہ رحمت کے لیے دامن بڑھائے بجلیاں پائے
مشیت کے مظاہر کا بظاہر مدعا یہ ہے
کہ انساں چند سایوں کے لیے نابود ہو جائے
گل و گلزار پر جب ثبت ہیں مہریں وراثت کی
تو انساں کنکروں پر لیٹ کر کیا دل کو سمجھائے
میں شاعر ہوں، مجھے تاویل کے حیلے نہیں آتے
فقیہوں کا یقیں کوئی کہاں سے ڈھونڈ کر لائے

یقیں — یعنی جہنم پر گلستاں کا گماں کرنا
چٹانوں تک کو انبارِ حریر و پرنیاں کہنا
کسی موہوم منزل کے تصور میں رواں رہنا
شکستہ تربتوں کو اس مسافت کے نشاں کہنا
نہ آنکھیں کھولنا پل بھر، نہ سننا دل کا واویلا
مصیبت کو مسرت، ابتلا کو امتحاں کہنا

http://www.pakfunfree.com

شکستِ آگہی کو عرش کی عظمت عطا کرنا
تصور کو خلاؤں، عجزِ نظر کو آسماں کہنا
پروں کو کیا کروں، پرواز پر بیٹھے ہیں جب پہرے
مجھے آتا نہیں کنجِ قفس کو آشیاں کہنا

فرشتوں نے اگر سجدہ کیا تھا ابنِ آدم کو
تو اب مسجود کے بارے میں جانے کیا ارادے ہیں
یہاں اک دانۂ گندم نے لوٹی آبرو اپنی
وہاں مغرب میں صدیوں کے لٹیرے شاہزادے ہیں
یہاں عورت کی ننگی چھاتیوں سے خون رستا ہے
وہاں کی ویشیاؤں کے بھی اطلس کے لبادے ہیں
اگر اک واقعہ ہوتا تو کہتے اتفاق اس کو
مگر لاکھوں سزائیں اور سزاؤں کے اعادے ہیں
لپکتی بجلیاں سرگوشیاں کرتی ہیں آپس میں
کہ فرزندانِ آدم کتنے بھولے، کتنے سادے ہیں

مری سادہ دلی میرا مقدر ہی سہی — لیکن
مجھے احساس ہے انساں کی گردوں مقامی کا
نہ جانے مجھ پہ افرنگی کی شاہی کیوں مسلط ہے
بھلا اک فرض کیا کم تھا مشیت کی غلامی کا
بغاوت بندگی سے اور آدم کش عناصر سے
یہی چارہ ہے باقی، عمر بھر کی تشنہ کامی کا
زمیں کی دھجیاں تاروں کی جانب اڑنے والی ہیں
یہی اب کام دیں گی نوعِ انساں کے پیامی کا
نرے ابہام کے اسرار کو اب فاش کر، ورنہ
قیامت ہی نہ ہو انجام میری ناتمامی کا

۱۹۳۶ء

http://www.pakfunplace.com

انسان

خدا عظیم، زمانہ عظیم، وقت عظیم
اگر حقیر ہے کوئی یہاں تو صرف ندیم
وہی ندیم، وہی لاڈلا بہشتوں کا
وہی ندیم، جو مسجود تھا فرشتوں کا
وہ جس نے جبر سے وجدان کو بلند کہا
وہ جس نے وسعتِ عالم کو اک نقطہ کہا
وہ جس نے جرمِ محبت کی جب سزا پائی
تو کائنات کے صحراؤں میں بہار آئی
وہ جس نے فرش کو بھی عرش کا جمال دیا
وہ جس نے تند عناصر کو ہنس کے ٹال دیا
بڑھا تو راہیں تراشیں، رُکا تو قصر بنائے
اُڑا تو گیت بکھیرے، جھکا تو پھول کھلائے
وہ جس کے نام سے عظمت قسم اُٹھاتی ہے
اُسی کی آج خدائی ہنسی اُڑاتی ہے

نہیں کسی سے بگڑنا مرا سبھاؤ نہیں
مری سرشت میں گلزار ہیں، الاؤ نہیں
ہزار بار شکستوں پہ مسکرایا ہوں
مصیبتوں کی گرج میں بھی گنگنایا ہوں
اگر حریمِ بقا سے فنا ملی ہے مجھے
اسی فنا میں بقا کی ادا ملی ہے مجھے
خداشناس بھی ہوں، اور خودشناس بھی ہوں
خدا سے دُور بھی ہوں، اور خدا کے پاس بھی ہوں
یہاں زمیں پہ بھی تخلیق کام ہے میرا
کہ کبریائی سے منسوب نام ہے میرا
زمیں مری ہے، فضا بھی مری، خلا بھی مری
خلا مری ہے تو اقلیمِ ماورا بھی مری

خدا کے ذہن کا فن پارۂ عظیم ہوں میں
تمام دہر کا دولھا ہوں میں — ندیم ہوں میں

اپریل ۱۹۳۶ء

http://www.pakfunplace.com

مجاز

ایک مٹّی کا دیا لَو کو سنبھالے کب تک
تیل بھی ختم ہے، طوفاں بھی اُمڈ آیا ہے
اے بلندی کے خدا! تو نے بنا کر پستی
کیا فقط جذبۂ تخلیق کو بہلایا ہے؟

چھلکا پڑتا ہے ستاروں سے ترا ساغرِ شب
میری قسمت میں فقط ایک چراغِ مردہ
کیا تجھے عرش کی خلوت کا سکوں جچتا ہے
فرش پر ہو ترا محبوب اگر آزردہ؟

شکوہ سنجی مرا مقصود نہیں رب کریم!
خود ترا حکم ہے، اخفائے حقیقت نہ کروں
تو تجلّی کو جو آلودۂ پستی نہ کرے
ایک مٹّی کے دیئے سے بھی محبت نہ کروں؟

۱۹۴۷ء

تاریخ کی آواز

سنسناتے ہیں اندھیرے تو لرزتے کیوں ہو؟
ہر نئی صبح کی تخلیق یونہی ہوتی ہے
رات کی آنکھ سے ڈھلکا ہُوا تاباں آنسو
درحقیقت مرے جھُومر کا گراں موتی ہے
بطنِ گیتی میں دھڑکتی ہیں تجلّی گاہیں
جب شفق شام کی دادی میں لہو بوتی ہے
کون جانے کہ پگھلنے کی ریاضت ہے یہی
لوگ کہتے ہیں کہ معصوم کلی سوتی ہے

---

http://www.pakfunplace.com

جب کلی چونک کے چٹکی تو گلستانِ جہاں
اک الاؤ کی طرح شعلہ فشاں بھڑکے گا
قدریں بدلیں گی، یقیں بدلیں گے، تم بدلو گے
تیرگی میں بھی تجلّی کا گماں دھڑکے گا
میں تو کہتی ہوں مشیت بھی تڑپ اُٹھے گی
دستِ انساں سے جب ادراک کا در کھڑکے گا
نکہتِ گُل میں نگل جائے گا کانٹوں کا وجود
اتنی شدّت سے مرا ابرِ رواں کڑکے گا

۱۹۴۶ء

طلوع

مہیب رات کا آغاز کتنا رنگیں تھا
مہیب رات کا انجام جانے کیا ہوگا
وہ رات جس نے ستاروں سے بھی کنارا کیا
غروبِ مہر کے نظارۂ حسیں کے بعد
خیال و خواب کے میں نقش ہی اُبھارا کیا
میں سوچتا تھا کہ اس تیرگی کے طوفاں میں
کسی کرن نے لپکنا اگر گوارا کیا
تو اس کرن کا نیا نام، جانے کیا ہوگا

بس اک ذرا سی کرن کی مجھے تمنا تھی
کہ ٹوٹ جائے یہ دیرینہ ظلمتوں کا طلسم
مگر چراغ کی لَو سے لہو نکلنے لگا
کچھ ایسی تند تھی جنتے لہو کی جولانی

http://www.pakfunplace.com

جہانِ خواب مرا کروٹیں بدلنے لگا
جب آنکھ کھول کے آفاق پر نظر ڈالی
تو شش جہت سے لہو اس طرح اُبلنے لگا
کہ تنکے بن کے بہے جا رہے تھے سیکڑوں جسم

سلگتے خون میں اک کارواں روانہ ہُوا
کسی کے پاس دُرانتی، کسی کے ہاتھ میں ہل
کسی کی باہنوں میں معصومیت کے رکھوالے
لبوں پہ مم کے تقاضے، گلے میں تیز کٹار
کسی کے ہاتھ حنائی، تو پاؤں میں چھالے
کسی کی اُلٹی ہُوئی پتلیاں، مجسّم پیاس
دریدہ چھاتیوں پر زلفِ خم بہ خم ڈالے
وہ ڈوب ڈوب چلے عفتوں کے تاج محل

مرے چراغ کی لَو! میرے ماہتاب کی ضو!
اُمڈتے سیل کا کوئی کنارا ہے کہ نہیں؟

مجھے مہیب اندھیرے کی بے حسی ہی بھلی
یہ زندگی، یہ تمدّن کی ناز پروردہ
لہو میں ڈوب کے کن بستیوں کی سمت چلی
پلٹ کے دیکھ تو آؤں کہ میرے رہنوں میں
چٹک رہی تھی جو انسانیت کی نرم کلی
وہ آج پھول کا رنگیں اشارا ہے کہ نہیں

کلی چٹک بھی چکی، پھول رنگ لا بھی چکا
وہ رنگ جس کو جہاں نے لہو کا نام دیا
مہیب رات شفق میں نہا کے آئی ہے
مہیب رات کا آغاز تھا اگر غازہ
مہیب رات کا انجام بھی حنائی ہے
بجھا بجھا سا نہ دیکھو شہاب پاروں کو
یہ اک عجیب سا احسانِ کبریائی ہے
جو آفتاب دیا ہم کو، لالہ فام دیا

۱۶- اگست ۱۹۴۷ء

http://www.pakfunplace.com

مہاراج ادھیراج

(دُور اندیش مصاحبین کی درخواست)

مہاراج ادھیراج! خوابوں کی دنیا میں کب تک سنگھاسن اڑاتے پھریں گے
حضور آپ کب تک گلستاں میں کانٹوں سے دامنِ زریں بچاتے پھریں گے
حضور آپ نیندوں میں سرشار ہیں اور دنیا کہاں سے کہاں جا چکی ہے
حضور آپ شاید نہ مانیں مگر آدمیت مشیّت سے ٹکرا چکی ہے
حضور آپ نے خونِ انساں سے اپنے شبستاں کی تاریکیاں دور کی تھیں
حضور آپ نے روٹیاں چھین لی تھیں، حضور آپ نے عصمتیں چوسی تھیں
حضور آج بھوکی رعایا نے ایوانِ مرمر پہ یلغار کر دی، سنا ہے
حضور آپ کی خفتہ بختی نے اک قوم کی قوم بیدار کر دی، سنا ہے
حضور اب جھروکے سے پردہ اٹھا کر غریبوں کی وحشت کا نظارہ کیجے
ارادوں کی شدت کا اندازہ کیجے، امنگوں کی عظمت کا نظارہ کیجے
حضور آپ کیوں بوکھلانے لگے ہیں، مکافات پر جب مدارِ جہاں ہے
حضور آپ روپوش ہو جائیں، لیکن حضور آپ کے سر کی کلغی کہاں ہے

۱۹۴۶ء

ثواب سے گناہ تک

فرازِ رہبانیت کا باسی نشیبِ انسانیت میں آیا
تو سنگ ریزے کو پھول، اور پھول کو گلستاں طراز پایا
ندی کی انگڑائیوں میں دیکھی رموزِ فطرت کی بے قراری
تو دھیمے دھیمے سُروں میں رازوں بھری مشیّت کا گیت گایا
فراخ وادی کے سبزہ زاروں کو جب ہواؤں نے تھپکیاں دیں
تو رنگ و نکہت میں ڈوب کر اس کا دشتِ احساس لہلہایا
تنی کھجوروں کی چھتریاں کھول کر جب اُبھرے سنہرے ٹیلے
تو ذہنِ انسانیت کے آتش کدے کا مقصد سمجھ میں آیا
تموّجِ بحرِ بے کراں سے اُچھل کے نکلی جب ایک سیپی
تو آگہی کے عمیق غاروں میں اک ستارہ سا جھلملایا

سکون گاہِ حیات عرفاں کی چمک میں نہا رہی تھی
سرور بیدار ہو رہا تھا، شعور کو نیند آ رہی تھی

http://www.pakistanplace.com

کلی خیاباں سجا رہی تھی تو ذرّہ صحرا بنا ہُوا تھا
حقیقت اسرار میں سما کر حقیقت اپنی چھپا رہی تھی
زمیں جسے آج تک فلک نے گنُہ کی آماجگہ کہا تھا
خلا میں چکرا رہی تھی، لیکن سکوت کے گیت گا رہی تھی
پہاڑ کی سربلند چوٹی پہ ابر نیندیں لُٹا رہا تھا
ہوا کے ابرِ شمی لبادے میں سرخوشی سرسرا رہی تھی
اِدھر خیالوں پہ ریشمی فرغلوں کا انبار لگ رہا تھا
اُدھر افق پر برہنہ انسانیت کھڑی گنگنا رہی تھی

"میں دخترِ کائنات ہوں، شش جہات پر جلوہ بار ہوں میں
نہ جانے کتنے ڈھکے چھپے شعبدوں کی آئینہ دار ہوں میں
مری جبیں میں جھلک رہا ہے کمالِ فن ساحرِ ازل کا
طلسمِ تخلیق کا زمانے میں آخری شاہکار ہوں میں
گنوا کے اک خلد، اَن گنت جنتوں کو شاداب کر چکی ہوں
یہ مجھ پہ بہتان ہے کہ اپنے گناہ پر شرمسار ہوں میں

زمانہ آشوب آندھیوں نے مرے دیوں سے لَویں نہ چھینیں
زمیں شکن زلزلوں کے باوصف آج تک استوار ہوں میں
وہ گوہرِ تابدار ہوں جو قبائے یزدانیت سے ٹوٹا
جو قلبِ رہبانیت سے پھُوٹا وہ نغمۂ خوش گوار ہوں میں"

کچھ ایسے انسانیت نے رہبانیت کی آنکھوں سے خواب چھینے
کہ جیسے ساون کی بدلیوں سے نچوڑ لی ہو نمی کسی نے
یہ جسم گرد و غبار اُڑاتا ہُوا لپک کر قریب آیا
تو یک بیک خاتمِ تصوف سے جھڑ گئے خوش نما نگینے
لبوں کے گوشوں سے خون رِس کر تمام زخموں میں رچ رہا تھا
چھلک رہے تھے نہ جانے کیسے نشے سے آنکھوں کے آبگینے
چمک اُٹھا پیکرِ دریدہ میں یوں جھکی ہڈیوں کا ڈھانچا
کہ چادرِ آب میں جھلکتے ہیں جیسے ڈوبے ہوئے سفینے
گلاب کا پھُول جیسے طوفاں کی زد میں آکر بکھر گیا ہو
کچھ اس طرح منتشر تھے انسان کی طہارت کے سب قرینے

http://www.pakfunplace.com

تضاد کے پھیر میں الجھ کر اداس رہبانیت پکاری
"سمجھ میں آج آ رہی ہے انسان کی جبلت کی بے قراری
نہیں نہیں، میں فرار کے ہولناک کمرے سے باز آئی
ازل سے آباد ہیں جہاں خود شناس انسان کے شکاری
نجوم ذرات کے مقابل نہ آسکے ہیں، نہ آسکیں گے
کبھی مسلّم نہ ہو سکے گی مرے عقیدوں کی شہریاری
حقیقتیں دُھل دُھلا کے نکلیں گی علم و منطق کی تیرگی سے
عظیم انسان! ترے لہو کے اگر رہے آبشار جاری
نہ زندگی سے فرار اچھا، نہ موت کا انتظار اچھا
سوائے انسان کے لہو کے، تمام قدریں ہیں اعتباری"

۱۹۴۸ء

آزادی کے بعد

کتنے خاکے مری امنگوں کے
جس طرح چرخ کے تمام نجوم

کونپلوں سے اُگے ہیں انگارے
بُن رہے ہیں گلے سڑے پتّے

روٹیاں بوٹیوں سے تُلتی ہیں
پیٹ بھرنے کے بعد ناچتا ہے

آدمیت پلٹ کے تکتی ہے
جیسے معزول شہریار گنے

پیچ کھاتے ہیں یوں ہواؤں میں
یک بیک اُڑ چلیں خلاؤں میں

جن کی حدت سے تپ رہے ہیں چمن
کتنی جامد حقیقتوں کے کفن

عصمتوں کی سجی دکانوں پر
خون کا ذائقہ زبانوں پر

اپنے بچپن کے رہگزاروں کو
اپنی عظمت کی یادگاروں کو

http://www.pakfunplace.com

زندگی، عزمِ زندگی سے تہی
کارواں کے غبار میں گُم ہے
زاہدِ کہنہ سال کی مانند
مقبروں کے شمار میں گُم ہے

ایک آفاق گیر سناٹا۔
زندگی! زندگی! پکارتا ہے
پٹختا ہے، اپنے ہونٹوں سے
خون کی پپڑیاں اُتارتا ہے

زندگی کو سنبھالنے کی مہم
کب مقدر کے اختیار میں ہے
یہ زمیں، یہ خلا کی رقاصہ
آدمِ نو کے انتظار میں ہے

۱۹۴۶ء

رات بیکراں تو نہیں

نجوم بجھتے رہیں، تیرگی اُمڈتی رہے
مگر یقینِ سحر ہے جنھیں — اُداس نہیں

اُفق دھڑک تو رہا ہے، سجھائی دے کہ نہ دے
شفق اُبل تو رہی ہے، دکھائی دے کہ نہ دے
گلوں پہ اوس شعاعوں کے انتظار میں ہے
کہ اس کے حسن کی عظمت کرن کے پیار میں ہے
وہ ایک اور ستارہ لرز کے ٹوٹ گیا

http://www.pakfunplace.com

بجا کہ رات بھیانک ہے، بیکراں تو نہیں
عظیم وقت کی رفتار رائگاں تو نہیں
سنا ہے دو قدم آگے مہک رہے ہیں چمن
اسی لیے تو ہواؤں میں ہے لطیف چبھن
اسی لیے تو اندھیرے میں پڑ رہی ہے شکن
اسی لیے تو قدم تیز تیز اُٹھتے ہیں
طلسمِ شب کا یہی توڑ ہے، قدم نہ رُکیں
اندھیرا ٹوٹ کے برسے، مگر یہ سر نہ جھکیں
نجوم بجھتے رہیں، تیرگی اُمڈتی رہے
سحر کا توڑ کسی ذی نفس کے پاس نہیں

۱۹۴۹ء

جبر و اختیار

ایک موہوم ثقافت کے علمبردار ہو
ایک بے رحم صداقت کا گنہگار ہوں میں
ایک خوابیدہ مشیت کے پرستار ہو تم
ایک تابندہ حقیقت کا خریدار ہوں میں
ایک ٹوٹی ہوئی زنجیر کی جھنکار ہو تم
ایک سونتی ہوئی شمشیرِ جگردار ہوں میں
تم نے افراد سے پیمانِ محبت باندھا
آدمیت کے تقاضوں کا وفادار ہوں میں
چمن افروزیٔ شبنم سے مجھے کیا لینا
حدتِ مہر سے جلتا ہوا گلزار ہوں میں

http://www.pakfunplace.com

میں اگر بھوک کی شدت کا گِلہ کرتا ہوں
تم عقیدوں کے غبارے مجھے لا دیتے ہو
میرے ملبوس کے پُرہول شگافوں کے عوض
کتنی تقدیس سے فرمانِ حیا دیتے ہو
شررِ سنگ ہے کب سے مری ہستی کا چراغ
تم تجلّی کو بلندی پہ لٹا دیتے ہو
ریشۂ گُل میں لہو دوڑ رہا ہو، تو مجھے
پھُول کا نام بدلنے پہ سزا دیتے ہو
چونک اٹھتی ہے مری چاپ سے جب ظلمتِ شب
تم ستاروں کو ستاروں سے بھڑا دیتے ہو

تم کو اس وقت بھی معلوم نہیں ہے شاید
کہ زمانہ تو بہت دور نکل آیا ہے
آج سلجھائے گی جمہور کی آواز اُسے
تم نے تاریخ میں جس بات کو اُلجھایا ہے

اب مرا ذوق کسی قید کا پابند نہیں
تم نے صدیوں مرے وجدان کو ترسایا ہے
نوعِ انساں کے نئے عزم کی تکریم کرو
جب کہ ذرّہ بھی قیامت کی خبر لایا ہے
تم ہی کہہ دو کہ سمندر ہے کفِ آلودہ کیوں
کیا چٹانوں سے سفینہ کوئی ٹکرایا ہے؟

۱۹۴۹ء

http://www.pakfunplace.com

آدمی

شاعروں، راہبوں، صوفیوں نے کہا، "اے نشیبوں کے کیڑو! خدا دُور ہے
آدمی کا خدا تک پہنچنا غلط، آدمی کا تصور بھی مجبُور ہے"

میں نے پھولوں سے، شبنم سے، تاروں سے پوچھا، تو سب جھینپ کر مسکرانے لگے
میں تو سمجھا تھا اخفائے حق صرف "خلّاق دانشوروں" ہی کا دستور ہے

میں نے احساس کے اَن گنت تار چھیڑے، مگر کوئی نغمہ نہ پیدا ہُوا
یعنی انسان کا وجدان بھی اس الوہی تصوّر کی ہیبت سے مسحُور ہے

آخرِ کار جب آدمیت سے پوچھا تو یہ دیکھ کر دم بخود رہ گیا
آدمی کا خدا تک پہنچنا غلط — آدمی سے ابھی آدمی دُور ہے

آدمی، آدمی کو سمجھنے لگا تو خدا خود زمیں پر اُتر آئے گا
آدمی کا خدا تک پہنچنا تو کیا، آدمی تو خدائی پہ چھا جائے گا

۱۹۴۹ء

نقّاد و

میں تم سے دُور نہیں تیز و تند نقّادو!
خود اپنے ذہن کے دیکھو تو چور دروازے
تمھارے دل مرے نغموں کی گونج سے لبریز
مگر انہی کی نفی ہیں تمھارے انداز ے
ذرا قریب سے دیکھو تو پھیکا پھیکا ہے
رُخِ حبیب کا نکھرا ہُوا سلونا پن
جو فصلِ گُل کی لگن میں سُلگ کے راکھ ہُوئے
بُلا رہے ہیں تمھیں وہ خزاں نصیب چمن

وہ نرم نرم اجالوں میں گھُلتی گھُلتی شفق
وہ آفتاب کی آہٹ سے جاگتے ہُوئے خواب
قدم قدم پہ بپا ایک حشرِ نغمہ و رنگ
وہ چوڑیوں کے چھنا کے، وہ عارضوں کے گلاب

http://www.pakfunplace.com

یہ کیفیت مجھے محبوب تھی، مگر اک روز
حجابِ رنگ اُٹھا کر شعور چیخ اُٹھا
وہ "آدمی" جو مرے فن میں سر بزانو تھا
نقاب اُتار کے نزدیک و دور چیخ اُٹھا

یہی وہ موڑ تھا جس پر مری حمیّت نے
قدم بڑھائے تو نقّاد ساتھ دے نہ سکے
جو میرے فن کے گلستاں سے پھول چنتے رہے
ببول سامنے پائے تو لطف لے نہ سکے

الم رُبا ہے ستاروں کی نرم نرم چبھن
مگر وہ اشک، جو ڈھلکیں تو پھر کبھی نہ رکیں!
نظر فروز سہی یہ صنوبروں کی قطار
مگر وہ لوگ، جو اُبھریں تو پھر کبھی نہ جھکیں!

میں آسمان کی نیلاہٹوں میں گھل جاؤں
مگر زمین کی زلفیں سنوار لوں تو چلوں
فرازِ نجم سحر پر سہی مقام مرا
مگر نشیب کی قسمت نکھار لوں تو چلوں

مجھے بھی حسن و محبت کے گیت یاد تو ہیں
مگر حیات فقط نغمہ و سرور نہیں
میں گلشنوں میں، دلوں میں، بلبلوں میں بستا ہوں
ذرا قریب سے دیکھو، میں تم سے دور نہیں

۱۹۳۹ء

پرانی جھنکار

جام کھنکے ہیں کہ زنجیر میں جھنکار ہوئی
جام لینا۔ کہ یہ جھنکار تو مانوس سی ہے
زندگی آئی تو ہے غازہ بہ رُخ، زلف بدوش
لیکن انداز یہ کہتے ہیں کہ مایوس سی ہے

افق اب تک شفق آلود نظر آتا ہے
دوستو! یہ کہیں گردِ رہِ خورشید نہ ہو
جو ستارہ ابھی نکلا ہے، ابھی ٹوٹا ہے
میرے ڈھلکے ہوئے آنسو ہی کی تائید نہ ہو

یہ جو زنجیر کی جھنکار سنی تھی ہم نے
اسی جھنکار سے مسحور تھے اجداد اپنے
اپنی تاریخ یہی تھی، یہی ماضی اپنا
اسی جھن جھن سے گھروندے رہے آباد اپنے

دائرے راہ میں منزل نہیں آنے دیتے
دائروں سے فقط اطفال بہل سکتے ہیں
دائروں کا ہے یہ ادنیٰ سا تمسخر ورنہ
پاؤں کیوں توڑ کے بیٹھے ہیں جو چل سکتے ہیں

پھر پلٹ کر اسی منزل کی طرف کیوں جائیں
جس میں زنجیر کی جھنکار سنائی دی تھی
جام اک بار ہی کھنکے، مگر اُس وقت مجھے
وہی جھنکار کئی بار سنائی دی تھی

http://www.pakfunplace.com

یہ کڑے کوس جو تا حدِّ نظر پھیلے ہیں
اک تصوّر سے فقط طے نہیں ہونے پاتے
شاخِ انگور پہ اُمڈے ہُوئے لرزاں خوشے
آپ ہی آپ کبھی مے نہیں ہونے پاتے

دوستو! رختِ سفر باندھ کے لپکو، کہ یہاں
جو پڑاؤ کے لیے رُکتے ہیں، رک جاتے ہیں
نخل جو دھوپ سے بچ کر کوئی سایہ ڈھونڈیں
خوب اُبھرنے نہیں پاتے ہیں کہ جھک جاتے ہیں

نومبر ۱۹۵۰ء

طیورِ آوارہ

خورشید کی شعاعوں میں اک لرزشِ خفی
کہتی ہے — سیلِ نور ہمارے جلَو میں ہے

شبنم یہ کہہ کے صحنِ گلستاں سے اُڑ گئی
میں کیسے تھم سکوں کہ ہر اک چیز رَو میں ہے

بھڑکے تو کائنات کے گوشے چمک اُٹھیں
وہ خواب جو چراغِ حقیقت کی لَو میں ہے

وجدان کی اُڑان میں اب تک نہ مل سکی
وہ تابشِ حیات جو اک مشتِ جَو میں ہے

جینے میں اک تڑپ ہو تو مرنے میں اک وقار
انسان کا نکھار اسی رقصِ نَو میں ہے

۱۹۵۰ء

http://www.pakfunplace.com

درانتی

چمک رہے ہیں درانتی کے تیز دندانے
خمیدہ ہل کی یہ اکھڑ، جوان نورِ نظر
سنہری فصل میں جس وقت غولہ زن ہوگی
تو ایک گیت چھڑے گا مسلسل اور دراز
ندیم ازل سے ہے تخلیق کا یہی انداز
ستارے بوئے گئے آفتاب کاٹے گئے

ہم آفتاب ضمیرِ جہاں میں بوئیں گے
تو ایک روز عظیم انقلاب کاٹیں گے
ہم انقلاب ضمیرِ جہاں میں بوئیں گے
زمیں پہ جنتِ بریں کا جواب کاٹیں گے

کوئی بتائے زمیں کے اجارہ داروں کو
بُلا رہے ہیں جو گوری ہوئی بہاروں کو
کہ آج بھی تو اسی شانِ بے نیازی سے
چمک رہے ہیں درانتی کے تیز دندانے
سنہری فصل تک اس کی چمک نہیں موقوف
کہ اب نظامِ کہن بھی اسی کی زد میں ہے
خمیدہ ہل کی یہ اکھڑ جوان نورِ نظر
جب اس نظام میں لہرا کے غولہ زن ہوگی
تو ایک گیت چھڑے گا مسلسل اور دراز

ندیم! ازل سے ہے تخلیق کا یہی انداز
ستارے بوئے گئے، آفتاب کاٹے گئے

اگست ۱۹۵۰ء

http://www.pakfunplace.com

سفر جاری رہے

کنارِ آبِ رواں شبنمی شگوفوں میں
جہانِ رنگ شعاعوں کے انتظار میں ہے

ندی کی نرم روی میں نجوم و نگہتیں ہیں
اداس چاند نہاں نور کے غبار میں ہے

سحر کا ہے یہ تقاضا کہ آفتاب اُبھرے
یہ جگنوؤں کا اک انبوہ کس شمار میں ہے

یہیں رکیں کہ چلیں، کچھ بڑھیں کہ سستا لیں
تھپک رہی ہیں ہوائیں، افق بلاتا ہے

سحر تو آئے گی، آتی رہے گی، دم لے لیں
دلوں میں کوئی مگر چٹکیاں بجاتا ہے

فضائے شب تو بہت خوابناک ہے لیکن
افق خود اُٹھ کے بھلا کس کے پاس آتا ہے

وہ ایک پل جو تجلّی سے ہم کنار ہُوا
ہماری تیرہ دلی کا ہے ایک اجرِ عظیم

یہاں خرام ہوا میں رواں ہیں سنّاٹے
وہاں افق پہ مگر گیت گا رہی ہے نسیم

وہ صبح طنز ہے اپنی شکستہ پائی پر
گرے جو پیرہنِ وقت سے ڈھلک کے ندیم

۱۹۵۰ء

موضوع

فن بڑی چیز ہے، تخلیق بڑی نعمت ہے
حسن کاری کوئی الزام نہیں ہے اے دوست

ہے مرے مدِ نظر آج بھی تخلیقِ جمال
گیسوئے شب میں اُلجھتے ہُوئے تاروں کے خیال

وہ جوانی کے گلابوں سے مہکتے ہُوئے جسم
پھیلتی باہوں میں مدہوش، لپکتے ہُوئے جسم

کنجِ گلشن کی خموشی میں امنگوں کے ہجوم
صندلی رُخ پہ بدلتے ہُوئے رنگوں کے ہجوم

پیار کی پیاس میں کھلتے ہُوئے ہونٹوں کی پکار
آنکھوں آنکھوں میں لگن کا متبسّم اظہار

http://www.pakistanipalace.com

فن کی تعمیر ہوئی ہے انہی ایوانوں میں
یہی مقبول تھے ماضی کے غزل خوانوں میں
انہی کلیوں سے کھلائے گئے گلزار اب تک
انہی شمعوں سے اجالے گئے دربار اب تک
انہی جھونکوں سے روایات میں باقی ہے حیات
منعکس ہے انہی آئینوں میں انساں کا ثبات
میں اگر ان سے الگ بات کروں تو در اصل
یہ فقط گردشِ ایام نہیں ہے اے دوست
حسن بیٹھا ہے سرِ راہ بھکاری بن کر
میرا اندازِ نظر خام نہیں ہے اے دوست
چند اڑتے ہوئے لمحوں کی حسیں عکاسی
میرے فن کا تو یہ انجام نہیں ہے اے دوست
پہلے میں ماہیتِ حسن تو پالوں — ورنہ
حسن کاری کوئی الزام نہیں ہے اے دوست

جن کی تخلیق سے ہے حسن کی قدروں میں دوام
ان کے ہاتھوں کی خراشیں تو مٹالوں پہلے

جن کی محنت سے عبارت ہے جمالِ عالم
ان کو آئینہ دکھانا بھی تو فن کاری ہے
ان کی آنکھوں میں جو شعلہ سا لرز اُٹھتا ہے
اس کا احساس دلانا بھی تو فن کاری ہے
اہلِ ثروت نے عقابوں کا بھرا ہے بہروپ
بھولی چڑیوں کو جگانا بھی تو فن کاری ہے
کھیت آباد ہیں، دیہات ہیں اجڑے اجڑے
اس تفاوت کو مٹانا بھی تو فن کاری ہے
لب و رخسار کو موضوعِ سخن ٹھہرا لوں
لیکن اس رنگ کا ماحول تو پالوں پہلے
گِن تو سکتا ہوں میں پیچ و خمِ کاکل لیکن
ذہن سے بارِ سلاسل تو ہٹالوں پہلے
جن کی تخلیق سے فن کار سبق لیتا ہے
ان کے ہاتھوں کی خراشیں تو مٹالوں پہلے

۱۹۵۰ء

http://www.pakfunplace.com

اِنسان عظیم ہے!

اس نے تجھے عرش سے بُلایا
انسان عظیم ہے خدایا!

تو بسترِ کہکشاں پہ لیٹا — تاروں کو بتا رہا تھا راہیں
اس خاک کے تودۂ رواں پر — پڑتی ہی نہ تھیں تری نگاہیں
وہ تجھ کو زمیں پہ کھینچ لایا
انسان عظیم ہے خدایا!

تو نُور ہی نُور بُن رہا تھا — وہ خاک ہی خاک چھانتا تھا
آنکھیں تھیں تری جھلک سے محروم — لیکن تجھے دل سے مانتا تھا
اب چھونے لگا ہے تیرا سایہ
انسان عظیم ہے خدایا!

تو سنگ ہے اور وہ شرر ہے — تو آگ ہے اور وہ اُجالا
تو نَم ہے، نمو کا پاسباں وہ — تو دشت ہے، وہ چراغِ لالہ
اس نے ہی تجھے حسیں بنایا
انسان عظیم ہے خدایا

تُو عینِ حیات ہے، مگر وہ — تزئینِ حیات کر رہا ہے
اس پر ہے غلط فنا کا الزام — سامانِ ثبات کر رہا ہے
اب جینے کا ڈھب سمجھ میں آیا
انسان عظیم ہے خدایا

تُو وقت ہے، روح ہے، بقا ہے — وہ حسن ہے، رنگ ہے، صدا ہے
تُو جیسا ازل میں تھا سو اب ہے — وہ ایک مسلسل ارتقا ہے
ہر شے کی پلٹ رہا ہے کایا
انسان عظیم ہے خدایا!

اگست۔ ۱۹۵۰ء

http://www.pakfunplace.com

جرسِ کارواں

جرسِ کارواں کی موسیقی — کارواں کے خرام کی غمّاز
جرسِ کارواں کی خاموشی — کارواں کے قیام کی غمّاز
جرسِ کارواں کی نالہ زنی — سفرِ ناتمام کی غمّاز

نہ ترنّم ملا، نہ سنّاٹا — نہ مقدّر رہیں نالۂ شب تھا
چند قزّاق جا رہے تھے کہیں — ہمسفیرو! یہ کارواں کب تھا
دل میں بوسیدہ لاش کی سی بساند — لب پہ گویا حرام مذہب تھا
"زندگی! زندگی!" پکارتے تھے — مردہ خوری قدیم مشرب تھا
ان کی آنکھوں میں پیاس جلتی تھی — ہم کو جس پہ گمانِ کوکب تھا

جرسِ کارواں کی دُھن کیسی — کارواں کا سراغ بھی تو ملے
جس کی خوشبو نشانِ منزل ہے — آرزوؤں کا وہ چمن تو کھلے

خامشی اک طویل سوچ میں ہے — اُترے آتے ہیں برف کے گالے
چار سُو ٹوٹتے ہوئے تارے — ہر طرف عنکبوت کے جالے

ناگہاں خامشی میں لہر اُٹھی — نیند میں جیسے کوئی کچھ گا لے
جیسے اُمڈی ہوئی گھٹا میں ملال — جیسے صحرا کی گود میں لالے

جرسِ کارواں کے منتظرو! — چاپ قدموں کی سن سکو تو سنو
یہ کروڑوں نقوشِ پا، یہ گلاب — اپنی نظروں سے چن سکو تو چنو

کارخانوں میں ہو کہ نا فولاد — جوشِ تخلیق میں ہے شعلہ فشاں
کھیت، کانیں، کٹے ہوئے کہسار — ہاں یہی تو ہیں کارواں کے نشاں
وہ اسی راستے سے گزرے ہیں — جن کی جانب ہے اک جہاں نگراں
ان کے دم سے زمیں کا ذوقِ نمو — ان کے دم سے حیات زمزمہ خواں
ان کی تخلیق محورِ تہذیب — ان کی محنت سے زندگی آساں
ان کا ماضی ہے ظلمت آلودہ — اور مستقبل آفتابِ جواں

http://www.pakfunplace.com

رہزنوں کا حصار ٹوٹ چکا
اہتمامِ سفر کرو، تو چلیں
خون کی خوفناک دلدل سے
ہمصفیرو، اُبھر چلو، تو چلیں
جرسِ کارواں کے منتظرو
چاپ قدموں کی سُن سکو، تو چلیں

سنہ ۱۹۵۱ء

فنونِ لطیفہ

یہ رقص و نغمہ، یہ شعر و ادب، یہ حکمت و فن
حیات کش ہیں، نہیں ہیں اگر حیات آموز
فقط فسونِ تصوّر، فقط طلسمِ خیال
یہ آسماں کے ستارے نہیں زمیں افروز
نکل کے دھند سے جو کھڑکیں اُتر جائے
اس آفتاب کے طالب نہیں مرے شب و روز
وہی کرن ہے کرن ارتقا کی نظروں میں
جو گھُل کے ریشۂ گل میں نفوذ کر جائے
جو رنگ بن کے سما جائے بند کلیوں میں
جو آگ بن کے رگِ سنگ میں اُتر جائے
جو آبجو پہ گرے عکس بن کے تاروں کا
جو اوس بن کے لبِ آبجو بکھر جائے

جولائی۔ سنہ ۱۹۵۱ء

سنٹرل جیل۔ لاہور

http://www.pakfunplace.com

نغمۂ انساں

اس خراب آباد میں مثلِ بہار آئیں گے ہم — بادہ ریز و رنگ بیز و نغمہ بار آئیں گے ہم
کوہساروں سے برنگِ آبشار آئیں گے ہم — اور میدانوں میں بن کر برگ و بار آئیں گے ہم
اوس کے پیکر میں اتریں گے چمن زاروں پہ ہم
برق کی صورت میں کوندیں گے جہانداروں پہ ہم

یہ عروسِ زندگی کی دلربائی ہم سے ہے — کارگاہِ زیست کی ہنگامہ آرائی ہم سے ہے
جذبۂ تخلیق کی انجم رسائی ہم سے ہے — کبریائی ہم سے، شانِ کبریائی ہم سے ہے
ہم نہ ہوں تو اس طرح اجڑے خدائی کا سہاگ
جس طرح خرمن میں بجلی، جس طرح جنگل میں آگ

ہم نے دھرتی کے کلیجے میں نمو پیدا کیا — ہم نے مٹی کے مرکب سے سبو پیدا کیا
خوشۂ انگور سے ہم نے لہو پیدا کیا — ہم نے بہر ہنگامہ زارِ رنگ و بو پیدا کیا
گو عناصر چیختے، چلاتے، غراتے رہے
ہم ضمیرِ زندگی میں جذب ہو جاتے رہے

ہم نے دھو دی چہرۂ آفاق سے گردِ ملال — پربتوں پر ہم نے ڈالے گھومتی راہوں کے جال
ہم نے صحراؤں کو بخشا سبزہ زاروں کا جمال — ہم نہ ہوتے تو کسے تھی بحر گردی کی مجال
ہم نے ناپیدا کرانی کے کنارے پا لیے
خاک کے ذرّوں میں یوں چمکا، ستارے پا لیے

ہے ہجومِ رنگ اپنے جذبۂ یک رنگ میں — جس طرح نغمے دھڑکتے ہیں ضمیرِ چنگ میں
متفق ہیں آشتی میں، متحد ہیں جنگ میں — جنگ کیا ہے؟ آگ دوڑانا ضمیرِ سنگ میں
زندگی میں جوش ہے، جذبات میں آہنگ ہے
چہرۂ گیتی ہمارے پیار سے گل رنگ ہے

ستمبر ۱۹۵۱ء

ڈسٹرکٹ جیل کیمبل پور

http://www.pakfunplace.com

بہار اور مہکار

(چند زندانی دوستوں کی یاد میں)

(۱)

اُتر کر شاخِ گل سے دامنِ گلچیں میں آئے ہیں
مگر یہ گل ہیں یا ویرانیٔ گلشن کی تصویریں
یہ شبنم ہے کہ گلچیں نے گلوں پر خون چھڑکا ہے
بجھی آنکھوں میں کانٹے بن گئیں کاجل کی تحریریں
کسی کے بسترِ کمخواب پر لٹ جائیں گی شب کو
عروسِ فصلِ گل کے منتشر خوابوں کی تعبیریں

(۲)

خزاں کا رنگ فق ہے اس حقیقت کے تصور سے
بہاریں مٹ کے بھی مہکار کو مرنے نہیں دیتیں
جہاں سے شاخ ٹوٹی ہے وہیں سے شاخ پھوٹی ہے
نمو کی قوتیں اس زخم کو بھرنے نہیں دیتیں

یہی تخلیق کا اعجاز ہے، جس کے بھروسے پر
خزاں میں بھی چمن کو سینچنے کی رسم جاری ہے
نئی کلیوں کے اک انبوہ کی تمہیدِ رنگیں ہے
کلی جو شاخِ گل سے دستِ گلچیں نے اُتاری ہے
گلستاں سے نکل کر کاکلوں میں جس نے دم توڑا
حقیقت میں وہ گل آئینۂ فصلِ بہاری ہے

مری ٹوٹی ہوئی کلیو! مرے اُترے ہوئے پھولو!
تمہاری ہی مہک سے ذہنِ انساں تازہ دم ہوگا
کھلے گا پھول بن کر، لہلہائے گا چمن بن کر
تمہاری یاد میں اشکوں سے جو رخسار نم ہوگا

۱۹۵۲ء

http://www.pakfunplace.com

حُسنِ تخلیق

تالاب کی سطح پر گرا اک پتا
اک پل کو رُکا رہا کہ شاید شاخیں
ٹوٹے ہوئے زیور کے اُٹھانے کو جھکیں

یا پیڑ کے عکس ہی کو رحم آجائے
گہنا ٹوٹے مگر نہ کھونے پائے

میدان کی سمت سے چلا اک جھونکا
تالاب کو گدگدا کے اس پار گیا
پتے کے قدم اُکھڑ گئے، ہار گیا

آئی حلقوں میں جب ابھر کر لپکا
آنسو کی طرح اک اور پتہ ٹپکا

پت جھڑ کا طلسم بھی بالآخر ٹوٹا
ٹوٹے پتے نگینے بن کر پھوٹے
پتوں کی عبا پہن کے ننگے بوٹے

تالاب کے آئینے میں یوں لہرائے
جیسے وادی میں بادلوں کے سائے

پتا پتا پلٹ پلٹ کر آیا
تجدید کی چھلنی سے پپا پے چھن کر
تخلیق کے حسن کا تسلسل بن کر

لوگ اس کو جو انقلاب کہتے ہیں کہیں
نیرنگیٔ ارتقا سے غافل نہ رہیں

۱۹۵۲ء

http://www.pakfunplace.com

سمت

شام ہاتھوں میں شعاعوں کے لیے انگارے
دور پربت کے جھروکے میں نظر آتی ہے
ابنِ آدم کو اگر سمت کا احساس نہ ہو
ایک پل کو تو یہ سمجھے کہ سحر آتی ہے

وہی موہوم اُجالا، وہی لالی، وہی کیف
وہی اک گونج میں لپٹا ہُوا سناٹا ہے
کون جانے، کوئی ڈوبا ہے کہ اب اُبھرے گا
کس نے آغاز کیا، کس نے سفر کاٹا ہے

شام کے بعد شعاعوں کے بجھے انگارے
رُخِ گیتی پہ اُترنے لگے کاجل بن کر
صبح ہوتی تو تجلّی کا اُمڈ تا سیلاب
سنگ و آہن کی فصیلوں سے بھی آتا چھن کر

جھٹپٹا ہے یہ گریزوں کا دھندلکا تو نہیں
کورچشمی کا یہ الزام نہ اپنے سر لو
صبح کے جشن کا انجام کہیں رات نہ ہو
تم جو جاگے ہو تو ابھی سمت معیّن کر لو

۱۹۵۲ء

ٹھیکری

(ایک کسان عورت کا اپنے شوہر سے خطاب)

میرے بالوں میں سرسوں کے تارے
میرے ہاتھوں میں گندم کے خوشے
میری جھولی میں مکّی کے دانے
میرے دل میں محبت کے توشے

تند جھونکے مرے ہم سفر ہیں
دھوپ میری سنہری سہیلی
کھیت میرے خیالوں کے آنگن
میں انہی میں پلی، ان میں کھیلی

میری آنکھوں میں تصویر تیری
میرے ہونٹوں پہ تیری کہانی
میری باتوں میں تیرے قصیدے
میرا پندار تیری جوانی

جھٹپٹے تک ابھی ہاتھ تیرے
ہل کی ہتھی سے ہٹنے نہ پائیں
مانگ کی طرح سیدھی سیاریں
ٹیڑھی لیکوں سے کٹنے نہ پائیں

میں یہاں ان چٹانوں پہ بیٹھی
تجھ کو دوہے سناتی رہوں گی
اپنی آواز کی تھپکیوں سے
ہاتھ تیرا بٹاتی رہوں گی

http://www.pakurdupage.com

سیپیوں میں کسی جل پری نے
ان دہکتے ہوئے آنسوؤں سے

جب سمندر میں طوفان آیا
کیسا اندھیر ہے، آنسوؤں سے

میرے پیارے، تری انگلیوں نے
اور دانوں کو رکھے بنا کر

جل پری ہو کہ دہقان میرا
آنسوؤں میں جہنم چھپے ہیں

کتنی محنت سے آنسو چھپائے
ایک ساحر نے موتی بنائے

سیپیاں ساحلوں کو سدھاریں
تاجروں نے دکانیں نکھاریں

کتنے دانوں سے دھرتی سجائی
تیرے مالک نے ڈلی بجائی

لٹ رہے ہیں، مگر کون جانے
گولیاں ہیں یہ گندم کے دانے

ہائے میں نے یہ کیا کہہ دیا ہے!
کوئی سنتا نہ ہو میرا دوہا!
آنسوؤں کی کہانی میں کیسے
چھپانے لگا سرخ لوہا!

۱۹۵۲ء

آخری کھنکتا گیت

شاہراہِ ہستی کے
اَن گنت عقیدے ہیں
اپنی اپنی چالیں ہیں

ثبت دیکھتا ہوں میں
اِس گلاب پر مہریں
جمتی برف پر مہریں

میں، کہ ایک شاعر ہوں
میرے شعر کی پرواز
میرا عشق بینا ہے

موڑ کتنے بے ڈھب ہیں
بے شمار مذہب ہیں
اپنے اپنے مشرب ہیں

پھول پھول پر مہریں
اُس ببول پر مہریں
اُڑتی دھول پر مہریں

پیار میرا مسلک ہے
جانے کس اُفق تک ہے
میرا ذوق زیرک ہے

http://www.pakfunplace.com

ظلمتوں کی وادی سے — پھول چن کے دم لوں گا
اے بسیط سناٹے — تجھ کو دُھن کے دم لوں گا
گیت بُن کے دم لوں گا — گیت سُن کے دم لوں گا

گیت حسنِ انساں کے — چشمِ سرمہ سا کے گیت
مرمریں ہتیلی پر — سرخیٔ حنا کے گیت
بکھرے بکھرے بالوں میں — کھیلتی ہوا کے گیت

مسکراہٹوں کے گیت — آنسوؤں میں جو جھلکیں
گیت اُن ستاروں کے — عارضوں پہ جو ڈھلکیں
وہ ہلال سے ابرو! — وہ کمان سی پلکیں!

آخری کھنکتا گیت — حسنِ آدمیت کا
آدمی کے سینے میں — آدمی کی چاہت کا
شاخِ دل پہ گُل بن کر — ناچتی محبت کا

سنہ ۱۹۵۲ء

اِنسانیت

وہ اعتماد ہے مجھ کو سرشتِ انساں پر
کسی بھی شہر میں جاؤں، غریبِ شہر نہیں

یہی یقین ہے شیرازہ بندِ نسل و نسب — یہی یقین ہے میرا خلوص، میرا وقار
یہی یقین ہے میرا ادب، مرا مذہب — یہی طلسمِ صبا ہے، یہی ورودِ بہار

یہی یقین مرا شعر، میرا حسنِ نظر — یہی یقین محبت، یہی یقین جمال
اسی یقین سے تارے ہیں میری گردِ سفر — یہی یقین شعور و خرد کا اوجِ کمال

یہی یقین ہے امن و سکون و نغمہ و رنگ — یہی یقین صدائے اذاں، نوائے چنگ

یہی یقین کہ انسان کی جبلت میں
بایں شکستہ دلی آشتی ہے، قہر نہیں
وہ اعتماد ہے مجھ کو سرشتِ انساں پر
کسی بھی شہر میں جاؤں، غریبِ شہر نہیں

سنہ ۱۹۵۲ء

http://www.pakfunplace.com

اُفق

وہ کوہسار کی چوٹی ہو یا خطِ صحرا
وہ شاخسار کی چٹکی میں ہو چٹکتی کلی
کہ گلستاں میں بھڑکتی ہوئی چنار کی آگ
سمندروں کے دھندلکے ہوں یا اُبھرتی موج
ہرا ہرا سا جزیرہ ہو یا منارۂ نور
کسی کے کاکلِ عنبر فشاں کی لہریں ہوں
کہ زیرِ دامنِ رنگیں شباب کی محراب
وہ فلسفے کی گھٹا ہو کہ فن کے لالہ و گل
وہ آدمی کی بقا ہو کہ ارتقائے حیات
فقط خیال ہو یا دائمی حقیقت ہو
افق وہی ہے جہاں آسماں زمیں سے ملے

۱۹۵۲ء

گونج

رات کا پُر وقار سناٹا
گونجتی ہے صدائے پائے نجوم
اصل میں گونج ہے سکوت کا گیت
اور پھر کس قدر لطیف و بسیط
گونج ہی گونج کبریا کی ذات
گونج ہی گونج ماورائے حیات
یہ حقیقت مگر کسے معلوم!

زندگی گونج کے سوا کیا ہے
ایک انسان دوسرے کا نقیب
پھول کی گونج پھول کی مہکار
اور یہی ہے اثاثۂ گلزار

http://www.pakfunplace.com

ایک اک پھول گلستاں کا غرور
ایک اک آدمی جہاں کا غرور
کاش سب کو مری نظر ہو نصیب!

چاند پر شاخِ گل لچکنے لگی
ہولے ہولے چلی عروسِ صبا
زندگی کے ورق اُلٹنے لگے
کتنے پردے نظر سے ہٹنے لگے
نوعِ انساں خدا سے جا کے ملی
ابتدا انتہا سے جا کے ملی
ٹوٹتا ہے فضا کا سناٹا!

۱۹۵۲ء

(۲)

من نہ آنم کہ بہ ہر شیوہ دل از دست دہم
لیک با آن نگہِ حوصلہ فرسا چہ کنم

شبلی

http://www.pakfunplace.com

قیاس

چودھویں رات کا یہ چاند ہے یا برگِ خزاں دیدہ ہے
تیرے غازے سے دھندلکے ہی دھندلکے ہیں فضا پر طاری
کہیں شیشے ہی نم آلود نہ ہوں کھڑکی کے!

ایک اُنگلی کا نشاں نور کے مینار کی مانند اُگا
وہ روش ہے، وہ سفیدے کا لچکتا سا شجر ہے، وہ رہی پھلواری
کھیل اندازِ نظر کے بھی ہیں کیسے کیسے ؟

پھر وہی بات!۔ وہی دھند کا زنداں، وہی اُجڑی ہوئی رات
کبریائی کے یہ اسرار ہیں یا شوخ عناصر کی نئی عیاری
آخر انسان مشیت سے کہاں تک اُلجھے!

http://www.pakfunplace.com

چاند روشن ہے مگر میری پنہ گاہ میں تاریکی ہے
تو بھی اِس وقت کسی دَور کی نگری میں ہے، میری پیاری!
دیکھ سکتا ہوں فقط تیرے گریزاں سائے!

سوچتا ہوں، مری آنکھیں - مرے آئینے نم آلود نہ ہوں
کچھ نہیں، کچھ بھی نہیں، وہم سے ہوتی ہے کہاں دلداری
کبھی تارے بھی دھواں دھار زمیں پر اُترے!

۱۹۳۶ء

مسافر

اونگھتی راہ پہ شیشم کی خمیدہ شاخیں
جانے کس سوچ میں مبہوت، جھکی آتی ہیں
موج در موج، پُراسرار گھنی تیرگیاں
سنسنی بن کے خلاؤں میں رچی جاتی ہے

کوئی جگنو! کوئی تارا! کوئی کرنوں کی رمق!
کچھ نہیں، کچھ بھی نہیں، حشر کی تمہید ہے رات
ساتھیو! سرد پتا در میں سمٹتے بھونرو
کچھ کہو، کچھ تو کہو، کوئی کہانی، کوئی بات

دُور موٹر نے سلگتی ہُوئی آنکھیں کھولیں
چاک در چاک شبِ تار کا پیراہن ہے
میرے پیکر سے اُچٹ کر مرا سایہ رینگا
فقط اک دل ہی نہیں، ایک جہاں روشن ہے،

http://www.pakfunplace.com

روشنی ایک اُمڈتا ہُوا سیلاب بنی
سَن سے آئینۂ احساس پہ کوندے لپکے
ڈولتی رہ گئیں شیشم کی لچکتی شاخیں
جس طرح نیند میں ڈر کر کوئی آنکھیں جھپکے

دفعتی شدت سے خلاؤں میں گھلی تاریکی
دل میں اُمید کا مبہم سا نشاں بھی نہ رہا
ساتھ چھوڑا تھا مرا جس نے تجلّی میں کبھی
وہ سہارا مری قسمت سے یہاں بھی نہ رہا

۱۹۴۶ء

ہرجائی

مری ہی دین ہے تیرا تبسّمِ ہمہ گیر
ترے خرام کا لہرا ہے مرا ہی کمال
قدم قدم پہ نگاہوں نے وہ چراغ جلائے
ہر آئینے میں جھلکتا ہے صرف تیرا جمال

بھلا کسی کا ستاروں پہ کیا اجارہ چلے
زمانے بھر کے لیے وقف ہیں یہ قندیلیں
یہ سلسبیلِ تجلّی اسی لیے ہے رواں
کہ تیرگی کے ستائے ہُوئے ذرا جی لیں

مجھے خبر نہ ہُوئی اور مری محبتِ خام
کئی فسردہ دلوں کے لیے علاج بنی
مجھے پتہ نہ چلا اور مری یہی نیکی
جہاں کی لاج بنی، میری احتیاج بنی

http://www.pakfunplace.com

میں سوچتا ہوں، کہ اے کاش تیرا پیکرِ ناز
بس ایک پل کے لیے صرف میرا ہو جاتا
مری نظر میں ستارے کچھ ایسے گھل جاتے
کہ آسمان و زمیں پر اندھیرا ہو جاتا

مگر یہ خام خیالی خلافِ فطرت ہے
کبھی رُکے ہیں پتنگے اگر چراغ جلے؟
زمانے بھر کے لیے وقف ہیں یہ قندیلیں
بھلا کسی کا ستاروں پہ کیا اجارہ چلے!

۱۹۴۶ء

پیکر

جی نہیں، آپ نے بندے کو غلط سمجھا ہے
شکر ہے، میرا تصور نہیں آوارہ مزاج
حسن توصیف کا محتاج نہیں، جانتا ہوں
آج کیا، میں تو اسے دیر سے پہچانتا ہوں

آپ کے بال سیہ بھی ہیں، سنہرے بھی ہیں
یہ حقیقت ہے، تو اخفائے حقیقت کیوں ہو؟
اک تجلی ہے جو ظلمات پہ منڈلاتی ہے
منہ سے حق بات بہرحال نکل جاتی ہے

آپ ماتھے سے دوپٹے کو ذرا سرکا کر
چاند پر ایک تقابل کی نظر ڈال کر
ایک لمحے کو فقط، آئینہ دیکھ آئیے گا
جو اثر پائیے گا، آپ ہی فرمائیے گا

جی نہیں، آپ کے ابرو ہیں، کمانیں تو نہیں
ہر تناؤ میں ہیں تیروں کے تقاضے پنہاں
ہاں، مگر ان کے تناؤ کو ذرا کم کیجے
تیر چھوٹیں گے، کمانوں کو ذرا خم کیجے

جی نہیں، آپ کی آنکھیں ہیں، کٹورے تو نہیں
آپ انگڑائی تو لیتے ہیں، مگر یاد رہے
دیکھیے، دیکھیے پلکوں سے نہ چھلکیں نیندیں
اشک بن کر کہیں عارض پہ نہ ڈھلکیں نیندیں

شفق اُمڈے ہوئے بادل میں بھی رچ سکتی ہے
رنگ غمّاز ہے، مستور نہیں رہ سکتا
آپ دامن میں چھپاتے رہیں رخساروں کو
کس نے پردوں میں لپیٹا ہے چمن زاروں کو

http://www.pakfunplace.com

لب فقط لب ہیں، یہی عظمتِ فن ہے اب تک
حسنِ تشبیہ کا منت کشِ احسان نہیں

ہاں مگر یہ تو کہوں گا کہ لبوں کے دم سے
زندگی چشمۂ حیواں ہے بیابان نہیں

آپ ٹھوڑی کے لرزتے ہوئے مرمر کو کیوں
کپکپاتے ہوئے ہاتھوں میں چھپا لیتے ہیں

رات کے وقت بھی سوئی ہوئی لہروں پہ کنول
یوں مہکتے ہیں کہ بھونروں کو بلا لیتے ہیں

میں نے باہوں میں شعاعوں کو مجسم دیکھا
ان کے ہالے میں تجلی کے بھنور سے پائے

اور انگڑائی کی حالت میں لچکنا اُن کا
کوندا جس طرح لپکتے ہوئے خم کھا جائے

یہ کفِ دست نہیں، نجمِ سحر ہے شاید
انگلیاں نور کے مچلے ہوئے فوارے ہیں

آپ اس بات کا اقرار کریں یا نہ کریں
آپ کے ہاتھ حقیقت میں قریبے ہیں

یہ کمر اور یہ مڑتے سے، پلٹتے سے خطوط
جس طرح ریشمی ڈنٹھل پہ کلی اُگ آئے

آپ چلتے ہیں کہ خوشبو سے لدا اک جھونکا
چمنستان کے سایوں میں بھٹکتا جائے

آپ کا پیکرِ رنگیں ہے شہابِ ثاقب
یہ اگر صرف تصور ہے، حقیقت کیا ہے؟

عشق اور حسن کی توصیف کرے؟ ناممکن!
جی نہیں، آپ نے بندے کو غلط سمجھا ہے

فروری ۱۹۴۷ء

اظہار

زندگی ساز کے پردوں میں سمٹتی ہی رہی
لیکن آواز کو ہر حال میں لہرانا تھا
ساز کے گونجتے ہی راز بھی چھن سے بولے
بے بسی دامنِ نغمہ سے لپٹتی ہی رہی

موجِ نغمہ پہ سوار آئے ہیں اسرارِ حیات
شرم سے دبتے ہوئے، دب کے اُبھرتے، گرتے
اپنے چہروں کو لپیٹے ہوئے افسانوں میں
جس طرح کنواریاں تکتی ہیں سہیلی کی برات

http://www.pakfunplace.com

تھرتھری ہاتھ کی رک جائے، تو لب ہلتے ہیں
لب اگر بند ہوں، گالوں پہ بکھرتے ہیں گلال
گال چھپ جائیں تو آنکھوں میں چمکتے ہیں چراغ
آنکھیں مند جائیں تو ماتھے پہ کنول کھلتے ہیں

راز آواز ہے، آواز ہے غمّازیِ راز
یہی آواز مشیّت کا نقاب اُلٹے گی
کہ مشیّت بھی تو اک راز ہے، مجبورِ نمود
ہیں شعاعوں کی لپکتی ہُوئی باہیں غمّاز

سرخ پوروں سے نقابِ رخِ رنگیں چنتا
میرے خوابوں کے خیاباں میں یہ کون آیا ہے!
کس کے انفاس سے بے چین ہُوا پردۂ ساز!
کاش اس آواز کو اک پل مرا ماضی سُنتا!

جون ۱۹۴۷ء

ربط

میرے کمرے کے دریچے کے مقابل بادل
تیرتے تیرتے رُکتے ہیں، سرک جاتے ہیں
جیسے اطفال چمن زار کے چھتناروں میں
تتلیاں ڈھونڈنے آتے ہیں، بھٹک جاتے ہیں
جانے کس جذبۂ تخلیق کے بہلاوے ہیں
آسماں پر یہ عناصر کے ملائم گالے
کبھی بگلے، کبھی قازیں، کبھی پُر ہول پہاڑ
کبھی اُجلے، کبھی دھندلے، کبھی یکسر کالے

ابھی اک سانپ سا گزرا تھا۔ ابھی ایک ہرن
لو وہ بلور کا اک قلعہ نمودار ہُوا
اور یہ قلعہ جو بکھرا تو کچھ ایسے ڈھب سے
دیکھتے دیکھتے زنجیرِ گراں بار ہُوا

http://www.pakfunplace.com

(۲)

میرے کمرے کے دریچے کے مقابل اس وقت
اک کڑی تک بھی نہیں، کچھ بھی نہیں، کوئی نہیں
آسماں اب نظر آتا ہے کچھ ایسا ویراں
جیسے یہ فصلِ مشیت نے کبھی بوئی نہیں

میں کہاں ہوں مری تنہائیو! میرے خوابو!
میری مجبور امنگو! مری پیاسی نظرو!
یہ کوئی زیست کا لمحہ ہے کہ سکرات کا پل
میرے ماحول کے کہرے میں ذرا جھانکو تو

میری سانسوں کی صدا، میری گھڑی کی ٹک ٹک
اس کچلتے ہوئے سناٹے سے کیا الجھیں گی
پھر سے آباد ہوا جب یہ دریچے کا شگاف
الجھنیں میرے خیالوں کی جبھی سلجھیں گی

۱۹۴۷ء

کھڑی کھڑی

صبح کو جب سرِ کہسار شفق پھولتی ہے
لوگ کہتے ہیں کہ پل بھر میں سویرا ہوگا
کون جانے کہ یہ لالی ہے عناصر کا مذاق
اور سورج کا گھٹاؤں میں بسیرا ہوگا
میں ممکن ہے کہ اعلانِ سحر کے باوصف
دوپہر کو بھی اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا
کون جانے کہ اگر دھند ہٹی، ابر چھٹا
ایک طوفان نے آفاق کو گھیرا ہوگا
میں ممکن ہے کہ طوفان کے دب جانے پر
ابر کا اک نئے انداز میں پھیرا ہوگا

کون جانے کہ اِدھر ابر کھلے گا تو اُدھر
رات کے ہاتھ میں ظلمت کا پھریرا ہوگا

میں نے ان داریوں میں گھوم کے دیکھا ہے کہ تم
مجھ میں غلطاں ہو مگر مجھ سے گریزاں بھی ہو
تم ستارہ ہو، شفق ہو، گلِ تازہ ہو، مگر
سنسناتا ہوا پُرہول بیاباں بھی ہو
تم جو بستی ہو جوانی کے سمن زاروں میں
اپنی تنہائی کے احساس سے ویراں بھی ہو
تم جو کترا کے نکلتی ہو مری نظروں سے
کتنے قصوں کا دمکتا ہوا عنواں بھی ہو
تم جو کہتی ہو کہ حوروں سے گراں ہے عورت
شبنم اور پھول کی مانند فراواں بھی ہو

تم نے لوٹا ہے مجھے، تم نے بسایا ہے مجھے
میری رہزن بھی ہو، میرا سر و ساماں بھی ہو

http://www.pakfunplace.com

ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں سے نہ بہلاؤ مجھے ٹمٹماتے ہوئے تاروں کے چلن جانتا ہوں
سرخیٔ لب میں جوانی کی چتا جلتی ہے میں کہ فن کار ہوں، رنگینیٔ فن جانتا ہوں
اس اٹکتے ہوئے لہجے سے نہ کھاؤں گا فریب میں تو انساں کا ہر اندازِ سخن جانتا ہوں
کیسے پندار کی میناؤں میں بال آتے ہیں کیوں چھپاتی ہو کہ میں تشنہ دہن جانتا ہوں
کتنی راتوں کے اندھیروں سے شناسائی ہے کالے بالوں کی میں ایک ایک شکن جانتا ہوں

ڈالیاں مجھ کو بلاتی ہیں گلوں سے لد کر
پھول روتے ہیں، کہ میں رازِ چمن جانتا ہوں

ہر ستارہ نہیں پیغامبرِ نورِ سحر میں بصارت کے فریبوں میں نہیں آؤں گا
اتنی شدت سے نہ اپناؤ کہ میں آخرِ کار پاس رہ کر بھی بہت دور چلا جاؤں گا
یہ محبت کہیں محرومیٔ جاوید نہ ہو کھو گئیں تم، تو خدا کو بھی نہ اپناؤں گا
اس تبسم میں کہیں طنز کے نشتر ہی نہ ہوں اب امنگوں کو کھلونوں سے نہ بہلاؤں گا
اشک موتی بھی نہیں، اشک شرارا بھی نہیں عشق کو نامِ خیالی میں نہ الجھاؤں گا

جن کے دم سے الم آلود ہوا میرا شعور
ان شکستوں کی میں تاریخ نہ دہراؤں گا

۱۹۴۷ء

مری شکست

مجھے تسلسلِ لیل و نہار کی سوگند بجھا نہیں ہے سرِ راہِ انتظار چراغ
گلوں میں لپٹی ہوئی یادِ یار کی سوگند کھلا ہوا ہے ابھی تک مری شکست کا باغ

چٹخ گیا ہے اگر فرطِ تشنگی سے ایاغ
اگر غبارِ سرِ راہ سے اٹا ہے دماغ
تو اس غبار میں ہیں کتنی منزلوں کے سُراغ

مجھے شباب کی اس یادگار کی سوگند

اسی شکستِ تمنا کے دم سے آج مجھے دکھائی دیتے ہیں کتنے صنم چٹانوں میں
رہی عزیز کچھ ایسی جہاں کی لاج مجھے کہ میں بھٹک نہ سکا تیرہ آسمانوں میں

کوئی گداز نہیں خلد کے فسانوں میں
مری بہشت ہے تنکوں کے آشیانوں میں
بڑا سرور ہے انساں کی داستانوں میں

لبھا سکا فقط انسان کا مزاج مجھے

http://www.pakistanipoint.com

میں تیرے جسم کی حدت ابھی نہیں بھولا اسی کی آگ مرے شعلۂ حیات میں ہے
میں اپنے شوق کی شدت ابھی نہیں بھولا وہ کیفیت تو عیاں میری بات بات میں ہے

مرا غرور ترے حسن کے ثبات میں ہے
تو مرے دل میں نہیں، ساری کائنات میں ہے
تو دن کی طرح نہاں اس اندھیری رات میں ہے
میں تیرے ذوق کی جدت ابھی نہیں بھولا

ترے لبوں کی نمی اور تری نظر کی کرن مرے شعور میں تحلیل ہو کے پھول بنی
یہ رات جس کی جبیں پر ہے تیرگی کی شکن مرے لیے تو ترے گیسوؤں کا طول بنی

مری شکست، مری فتح کا رسول بنی
مری شکست، مرے راستے کی دھول بنی
مری شکست، تو ادراک کا اصول بنی
کلی کا خون ہوا اور سنور گیا ہے چمن

۱۹۵۲ء

(۳)

چنیں کہ نالہ ز دل جوشد و نفس نہ زنم
عجب مدار کہ آتش بر آورم چو چنار

عرفی

http://www.pakfunplace.com

رفتارِ زمانہ

جنوری ۱۹۴۷ء

یہ انقلاب بھی دیکھا کہ نو شگفتہ کلی
رمیدہ بو تو رہی، اب رمیدہ رنگ بھی ہے

ہوا نے شمع کی لو نوچ کر گل ڈالی
ہوا کے ساتھ مگر منتقم پتنگ بھی ہے

چمن سے آئیں صدائیں، نوائیں کانوں سے
کہ زیست قطرۂ شبنم بھی اور سنگ بھی ہے

سنبھل سنبھل کے چلے آ رہے ہیں تیر انداز
شکارگاہ میں آہو بھی ہے، پلنگ بھی ہے

فرنگ ہی نے بہایا لہو ضعیفوں کا
اب اس بہاؤ کے ریلے میں خود فرنگ بھی ہے

عجیب شان سے نکھرا ہے ایشیا کا شباب
ادھر ہے چنگ تو اُس ہاتھ میں خدنگ بھی ہے

فریب خوردۂ پیماں ہوں، آدمِ نو ہوں
وہ امن جُو ہوں جسے انتظارِ جنگ بھی ہے

http://www.pakfunplace.com

بہار آئے گی

صرف تاراجیِ گلزار کا شکوہ تو نہیں
آسماں پر بھی ستاروں کی کمی پاتا ہوں
شفقِ شام ہو یا صبح کی انگڑائی ہو
سب نظاروں میں بہاروں کی کمی پاتا ہوں
جسم کہتا ہے کہ میں حدِ نظر کو چھو لوں
ذہن کہتا ہے، سہاروں کی کمی پاتا ہوں

اجنبی راہ سے پہنچا ہوں یہاں تک، لیکن
مجھ کو اس بزم سے مانوس نہ ہونا آیا
میں مہک بن کے قفس میں بھی پر افشاں ہی رہا
رنگ بن کر مجھے محبوس نہ ہونا آیا

تیرگی کلبۂ دہقاں کی رہی مدِ نظر
حجلۂ شاہ کا فانوس نہ ہونا آیا

میری منزل کو اُفق پار بتانے والے
میں نے دیکھا ہے، اُفق تا بہ اُفق کوئی نہیں
ایک مرکز ہو تو جچتا ہے تجسس، لیکن
اَن گنت دائروں میں گھومتی رہتی ہے زمیں
ہر اُفق پر اُفقِ نو کی صدا آتی ہے
تیری منزل ہے بہت دور کہیں، اور کہیں

اب مسافر کو نئے عزمِ سفر سے کیا کام
اب اسی بزم پہ پرچم مرا لہرائے گا
اس بیاباں میں چمن زار سجانے کے لیے
میرا احساس مرا آئینہ بن جائے گا
اتنے طوفان اُٹھاؤں گا، کہ تاریخوں میں
اپنے تابوت سے دہقان نکل آئے گا

http://www.pakfunplace.com

منجمد کر کو چٹخائے گی سورج کی کرن
ان دھندلکوں کے کلیجے میں اُتر جائے گی
سائے سمٹیں گے کہ ظلمت پہ کوئی آنچ نہ آئے
تیرگی چاہے گی، لیکن نہ اماں پائے گی
سینۂ سنگ کی حدّت سے کھلیں گے گلزار
اتنی شدّت سے زمانے میں بہار آئے گی

۱۹۴۸ء

جشنِ چراغاں

کس لیے آج کی شب جشنِ چراغاں نہ کروں
دیس کی جنّتِ ویراں کو فروزاں نہ کروں
شیشۂ چشم نہیں ہوں، کہ ڈروں نور سے میں
چل کے آیا ہوں چراغاں کے لیے دُور سے میں
تیرگی بھاگ رہی ہے مرے آگے آگے
کتنے تارے مرے قدموں کی دھمک سے جاگے
کتنے گلشن مرے نغموں میں نہا کر مہکے
کتنے بھوبھل مری آہوں کی تپش سے دہکے
کتنی آنکھوں میں جلائے ہیں ارادوں کے چراغ
کتنے ہونٹوں سے لگائے ہیں امیدوں کے ایاغ
کتنے دُکھتے ہُوئے قدموں کو شفا بخشی ہے
کتنی بے جان اُمنگوں کو بقا بخشی ہے

http://www.pakfunplace.com

ایک دنیا کو میں دھوکا تو نہیں دے سکتا
قمقمے عاریتہً میں تو نہیں لے سکتا
مجھ کو اپنے ہی چراغوں کو جلانا ہوگا
اک نیا عرش منڈیروں پہ سجانا ہوگا

مجھ کو اس دیس کی ایک ایک گلی پیاری ہے
مجھ پہ اس دیس کا احسان بہت بھاری ہے
اس کی آغوش میں پل بڑھ کے جوانی پائی
اسی مکتب سے یہ اعجاز بیانی پائی
اس زمیں پر میں اندھیروں کو نہ جمنے دوں گا
اپنی دیرینہ اُڑانوں کو نہ تھمنے دوں گا
میں تجلّی کا پیامی ہوں، جلاؤ شمعیں
آج ہر طاق پہ، ہر گھر میں جلاؤ شمعیں
قمقمے برق کے، مرمر کے دریچوں میں جلے
ان گھروندوں پہ مرا خون چراغوں میں جلے

۱۴ر اگست ۱۹۳۹ء

ادب و سیاست

اگر لاشوں کے قتلوں کی تجارت ہی سیاست ہے
اگر دستورِ آدم افگنی جزوِ ریاست ہے
اگر افرنگ کی حلقہ بگوشی اب بھی جائز ہے
اگر انسان کی انساں فروشی اب بھی جائز ہے
اگر آزاد رہنے کی تمنا جرم ہے اب بھی
اگر انصاف کرنے کا تقاضا جرم ہے اب بھی
اگر روٹی طلب کرنا جہالت ہے، بغاوت ہے
توکّل کا عقیدہ ہی اگر محنت کی اُجرت ہے
اگر علم و ادب پر ایک طبقے کا اجارہ ہے
اگر دانشوروں کو فن پہ پابندی گوارا ہے
تو میں ایسی سیاست پر فدا ہونے سے باز آیا
محبت میری فطرت، آدمیت میرا سرمایہ

http://www.pakfunplace.com

مرے پیشِ نظر رعنائی و امن و جوانی ہے
مرے مدِ نظر انساں کا حسنِ جاودانی ہے
مشینوں کا دھواں اُجرت نہیں ہے جاں سپاری کی
مرصع گالیاں قیمت نہیں خدمت گزاری کی
مجھے محنت کشوں کو دہر کا آقا بنانا ہے
مجھے تخلیق کو خالق کے پہلو میں بٹھانا ہے
مجھے مادّوں کو فقر و فاقہ سے آزاد کرنا ہے
مجھے بچّوں کے چہروں میں گلابی رنگ بھرنا ہے
محبت چاہیے مجھ کو، صباحت چاہیے مجھ کو
بغاوت ہے اگر یہ، تو بغاوت چاہیے مجھ کو
یہی میرا ادب ہے، اور یہی میری سیاست ہے
مرے جمہور ہی سے میری فن کاری عبارت ہے
مرے جمہور، جن کے خون سے ایوان سجتے ہیں
انہی کی چاپ سے اب آمروں کے کان بجتے ہیں
وہ اُٹھے قافلہ در قافلہ پورب سے پچھم سے
وہ چلے کارواں در کارواں اقصائے عالم سے

ملوں سے، مرغزاروں سے، بنوں سے، کوہساروں سے
دکانوں سے، گھروں سے، علم و دانش کے اداروں سے
خلش ان کے دلوں میں، اجتہاد ان کی نگاہوں میں
بچھی جاتی ہیں جمہوری روایات ان کی راہوں میں
مرا فن ان کی عظمت کا جب استقبال کرتا ہے
تو استحصال مجھ پر کفر کا الزام دھرتا ہے
اگر یہ کفر ہے، اس کفر کو ایماں بناؤں گا
گجر دم ظلمتِ شب کے ترانے میں نہ گاؤں گا

۱۹۵۰ء

http://www.pakfunplace.com

ترقّی پسند مصنّفین

غبارِ راہ سہی ہم نشانِ راہ بھی ہیں
جہاں گزیدہ بھی ہیں اور جہاں پناہ بھی ہیں
یہ سب درست کہ معتوب بھی، تباہ بھی ہیں
شبِ سیاہِ جہاں میں نویدِ ماہ بھی ہیں
عوام دوست ہیں، یعنی گناہ گار ہیں ہم
مؤرخوں سے مگر اس کے داد خواہ بھی ہیں
لبوں پہ گیت تو ہاتھوں میں ہے عنانِ حیات
کہ ہم تمدّن و تہذیب کی سپاہ بھی ہیں
نجومیوں نے چمک سے فریب کھایا ہے
خلا میں چند ستارے ابھی سیاہ بھی ہیں
یہ انقلاب کی ہے اوّلیں جھلک، کہ ندیمؔ
ہماری کھوج میں شاہانِ کج کلاہ بھی ہیں

زنداں

پسِ دیوار ہے اک اور بھی دیوارِ بلند
ایک دیوار کے پیچھے کئی دیواریں ہیں
یہ احاطوں میں احاطے، یہ فصیلیں، یہ حصار
وقت کی بات ہے، سب وقت کی رفتاریں ہیں

جس تاریخ کی اک طرفہ روایت تو نہیں
یہ تو ہے عظمتِ آدم کا طرازِ عنواں
ایک تغییر کی تمہید ہے زنداں گردی
انہی ظلمات سے ہوتا ہے طلوعِ افشاں

http://www.pakfunplace.com

ارتقا کا یہ چلن ہے کہ ہر انجام سے قبل
نئے آغاز کے رستے میں اُبھرتی ہے فصیل
انقلابات کی یلغار میں دب جاتی ہے
سطوتِ کوہِ ہمالہ ہو کہ طغیانیِ نیل

آج زنداں میں سہی، دست بہ زنجیر سہی
کل یہ میدان میں شمشیر بدست ابھریں گے
جس طرح تیر کمانوں سے نکل جاتے ہیں
یوں بیک جست فصیلوں سے یہ مست ابھریں گے

دوستو ایک چھلاوے کے سوا کچھ بھی نہیں
یہ جو اٹھتی ہوئی، تنتی ہوئی دیواریں ہیں
حریت کی یہ اسیری، یہ تشدد کا فروغ
وقت کی بات ہے، سب وقت کی رفتاریں ہیں

سنٹرل جیل - لاہور ۱۹۵۱ء

صحافیوں کے نام

ہم قدم دوستو، ہم قلم ساتھیو، ہم سفر ہیں تمہارے ہم اہلِ قلم
حشر تک ذہن کی وسعتوں میں یونہی پھڑپھڑاتے رہو زندگی کا علم

دوستو، تم وہی ہو کہ جن کے قلم کے اشارے پہ رقصاں ہے تاجِ تہی
ساتھیو، تم وہی ہو کہ ہیبت سے جن کی سرِ آمریت بھی رہتا ہے خم

ہم صفیرو، ہماری نظر میں بھی ہیں وہ گھروندے جو اُجڑے تو اُجڑے رہے
ہم جلیسو، ہمارے بھی دل خون ہیں، ہم نصیبو، ہماری بھی آنکھیں ہیں نم

ہم نے بھی فصلِ گل میں سرِ شاخ کتنے گلوں کے جنازوں کا ماتم کیا
ہم نے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ گلشن میں مالی بہت اور پانی ہے کم

تم ہو، یا ہم ہوں، یہ بات ہے مشترک، ہم کریں گے نہ ایماں کی سوداگری
بحر میں چاند بے شک نہاتا رہے، چاندنی تو نہ ہوگی سمندر میں ضم

تم نے خبریں لکھیں، ہم نے نظمیں کہیں، تم نے کلیاں چنیں، ہم نے گجرے بُنے
درحقیقت تمہارے ہمارے قلم کر رہے ہیں تواریخِ عالم رقم

http://www.pakfunplace.com

ایک مقصد ہے جب، ایک منزل ہے جب، کیوں نہ مل کر بہم ہم قدم دوستو
یوں اُٹھیں جیسے مشرق سے خورشید اور یوں چلیں، جنگ میں جیسے تیغِ دودم

آؤ انسان کی زندگی کو نکھاریں کہ انسانیت کو سہارا ملے
آج کل زندگی اک ستم ہی تو ہے، اس پر انسان کی بندگی کا ستم!

باوجودیکہ تم سب دل افگار ہو، تم صداقت کے آئینہ بردار ہو
تم نے تولا ہے قانون کو عدل میں، تم نے کھولا ہے خلقِ الٰہی کا بھرم

ہم کو سرمایہ داروں سے کیا واسطہ! آخر آگ اور پانی کا رشتہ ہی کیا
اہلِ دولت ہیں وہ، اہلِ دانش ہیں ہم، ان کو خود اپنا غم، ہم کو دنیا کا غم

اب قلم کا بھرم سخت دشوار ہے، دہر کو خود فریبی کا آزار ہے
سنگ سے تو تراشے ہی جاتے ہیں بُت، اب عقیدوں میں بھی ڈھل رہے ہیں صنم

جو کہو حق کہو، جو لکھو حق لکھو، مشعلِ آدمیت کو بجھنے نہ دو!
اپنے جس ہاتھ میں تھامتے ہو قلم، تم کو اس ہاتھ کی آبرو کی قسم!

۱۹۵۲ء

غمِ وطن

میرا غم، صرف مرا غم تو نہیں، کم کیوں ہو
آدم اس دور میں بھی کشتۂ آدم کیوں ہو

آدمیت ہی جب اس دور میں پامال ہوئی
اپنی اک ذات کے لٹنے کا مجھے غم کیوں ہو

جس کے دانتوں میں مری قوم کے ریشے ہیں ابھی
وہی سفاک مرے دیس کا ہمدم کیوں ہو

جب لنڈھانے پہ بھی بچتا ہی رہا بادۂ ناب
پھر مرے جامِ سفالیں میں بھرا سم کیوں ہو

اس کے سائے میں جب انسان کو دم لینا ہے
خونِ انساں ہی میں ڈوبا ہوا پرچم کیوں ہو

جس کے کانوں نے صدائیں جرسِ گل کی سُنیں
اس کے ہونٹوں پہ فقط نوحہ و ماتم کیوں ہو

گود میں جس کی پلے وارث و خوشحال و لطیف
اس کے بشرے پہ بھلا یاس کا عالم کیوں ہو

http://www.pakistanipoint.com

کٹ کے بھی جھک نہ سکا جو سرِ پندارِ وطن
کسی سلطان کے دربار میں اب خم کیوں ہو
جب گلوں تک کو خبر ہے کہ بہار آتی ہے
گلشنِ غیر سے دریوزۂ شبنم کیوں ہو
سینۂ شب میں دھڑکتا ہے دلِ صبحِ جمال
لب ترے خشک ہوں کیوں، آنکھ تری نم کیوں ہو
مجھ کو ڈر ہے، تری آواز ہے بھرائی ہوئی
حریت کا یہ ترانہ ہے تو مدھم کیوں ہو
جس کو تہذیب و تمدن کا افق چھونا ہے
چند فرسنگ کی پرواز سے بے دم کیوں ہو
پیٹھ کا زخم نہیں ہے کہ ندامت ہو تجھے
زخم سینے کا ہے — شرمندۂ مرہم کیوں ہو

۱۹۵۲ء

یہ رات

دلیلِ صبحِ طرب ہی سہی یہ سناٹا
مگر پہاڑ سی یہ رات کٹ چکے تو کہوں
پسِ نقاب ہی پنہاں سہی عروسِ سحر
مگر یہ پردۂ ظلمات ہٹ چکے تو کہوں

یہ رات بھی تو حقیقت ہے تلخ و تند و درشت
اسے سحر کا تصور مٹا نہیں سکتا
مجھے تو نیند نہیں آئے گی کہ میرا شعور
شبِ سیاہ سے آنکھیں چرا نہیں سکتا

http://www.pakfunplace.com

اگر نشانِ سفر تک کہیں نہیں، نہ سہی
میں رینگ رینگ کے یہ شب نہیں گزاروں گا
شکست سے مرا اخلاق اجنبی ہے ندیمؔ
سحر ملے نہ ملے، رات سے نہ ہاروں گا

(۴)

کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے

(غالب)

۱۹۵۲ء

http://www.pakfunplace.com

عنفوانِ شباب

شبنم آئینہ بدست آئی سرِ برگِ گلاب
ایک معصوم کلی
شاخساروں سے ہمک کر نکلی
آئینہ دیکھ کے شرمائی، لجائی، کانپی
جھرجھری لے کے سنبھلنا چاہا
لیکن احساسِ جمال
ایک کوندا ہے جو لپکے تو لپکتا ہی چلا جاتا ہے
اور معصوم کلی
کپکپاہٹ کے تسلسل سے چٹکنے پہ جو مجبور ہوئی
چُور ہوئی
غنچہ تخلیق ہوا
آئینہ چونک اُٹھا

سنہ ۱۹۴۷ء

http://www.pakfunplace.com

پنشن

کتنی بوڑھی ہے مرحوم انور کی ماں
جو لٹکتی بھوؤں کو اٹھا کر
نہ جانے افق پر کسے دیکھتی ہے!
افق کی طرف چند ویران پگڈنڈیاں جا رہی ہیں
لچکتی ہوئی، پیچ کھاتی ہوئی
زرد ٹیلوں کی آسیب آلود وحشت بڑھاتی ہوئی
اپنی منزل کو چھونے سے پہلے
چھلاوے کی مانند نظروں سے غائب ہوئی جا رہی ہیں

کچھ تو کہتی ہے مرحوم انور کی ماں
نطق کا کام لیتی ہے ٹھوڑی کی جھلتی کے اقلیدسی زاویوں سے
"کہاں جا رہا ہے؟ کدھر کا ارادہ ہے اے نوجواں؟"
"میں تو ان وسعتوں میں گزشتہ زمانے کے آثار چننے چلا ہوں
کہ تہذیبِ نو کے عجائب گھروں میں
شہنشاہوں کے ادھ کٹے ناخنوں کو بھی
بلور کے مرتبانوں میں
انسانیت کی امانت سمجھ کر سجاتی ہے دنیا
مگر تو کہاں جا رہی ہے؟"

کتنی بھولی ہے مرحوم انور کی ماں
ٹکٹکی باندھ کر دیکھتی ہے مجھے
دیکھتی ہی چلی جا رہی ہے مجھے
جیسے بچہ ستارے کے مٹتے ہوئے راستے کو تکے
اور تکتا ہی رہ جائے
"انور کی ماں، تو کہاں جا رہی ہے؟"

http://www.pakfunplace.com

جھرجھری لے کے مرحوم انور کی ماں سوچتی ہے
خدا جانے کیا سوچتی ہے
کہ ٹیڑھی سی لاٹھی کو ٹیڑھے سے ہاتھوں میں تھامے ہوئے
چند صدیوں کے بوسیدہ بُت کی طرح جم گئی ہے
مگر ساتھ ہی اس کی ٹھوڑی کی جھلّی کے اقلیدسی زاویوں میں
نیا زاویہ بن رہا ہے
جو کہتا ہے
"تہذیبِ نو کے عجائب گھروں میں
شہنشاہوں کے ادھ کٹے ناخنوں کے تلے
اک سپاہی کا ڈھانچا بھی ہوگا
جسے میں نے دس ٹکلیوں کے عوض
اب سے چھ سال پہلے
افق کی انہی چند ویران پگڈنڈیوں کے حوالے کیا تھا۔"

سنہ ۱۹۴۷ء

مغویہ

رات خاموش ہے
سر برآوردہ اشجار دن بھر کے رقصِ مسلسل سے تھک ہار کر
بازوؤں کو سمیٹے
اندھیرے کے بستر پہ خوابیدہ ہیں
سرد جھونکے خراماں ہیں لیکن کوئی چاپ اُٹھتی نہیں
جیسے شاہی کنیزیں، جو ملبوس کے نقرئی حاشیوں کو سنبھالے ہوئے
کانچ کے فرش پر چل رہی ہیں
ستاروں کی آنکھوں میں نیندیں ہیں
رفتار میں ایک ایسا بہاؤ ہے
جیسے فضا سے اُترتے ہوئے برف کے نرم گالے
پراسرار
آواز سے بے نیاز
اوّلیں عشق کی دھیمی سرگوشیوں کی طرح

http://www.pakfunplace.com

رات خاموش ہے

جیسے اپنے ہی بالوں میں لپٹی ہوئی سانولی سی دلہن
جس کے ماتھے کی افشاں پہ
گالوں کے غازے پہ
ہاتھوں کی مہندی پہ
سینے کے اُمڈے ہُوئے عزمِ تخلیق پر
اس کے اپنے ہی پیکر کی خوشبو نے
وہ دائرے بُن دیے ہیں
جو چھُونے سے گھُل جائیں گے

رات خاموش ہے

رات کی خامشی کتنی گہری ہے، کس درجہ گمبھیر ہے
کس میں ہمت ہے جو زور کی سانس تک لے سکے
رات کے اس وقار اور پندار کو ٹھیس پہنچا سکے
کس قدر طنطنے، کتنی پیاری رعونت سے لبریز ہے رات کی خامشی
رات کی خامشی کتنی گہری ہے، کس درجہ گمبھیر ہے

رات خاموش ہے
ایک چیخ آسماں سے زمیں تک خراشیں اُگاتی ہُوئی
چار جانب لپکتی چلی جا رہی ہے
ہوا کا بہاؤ اُلجھنے لگا ہے
ستارے لرزنے لگے ہیں
خود اپنے ہی بالوں میں لپٹی ہُوئی سانولی سی دلہن
ٹوٹتی نیند کی ڈوریاں اپنی پلکوں سے چنتی ہُوئی
چونک اُٹھی ہے
خموشی کی گمبھیرتا کا بھرم کھُل گیا ہے
وقار اور پندار کے آئینوں کی کئی کرچیاں ہر طرف منتشر ہیں
یہ گستاخ آواز کس کی تھی؟
یہ کون تھا؟

رات کی خامشی پھڑپھڑانے لگی ہے
شبوں کے ورق چیختے اور بجتے ہُوئے ہر طرف اُڑ رہے ہیں
یہ راتیں، یہ دن

http://www.pakfunplace.com

اور یہ شامیں، یہ صبحیں،
گھٹائیں اُمڈتی ہُوئی اور چھٹتی ہُوئی
بجلیاں جل رہی ــــ، بجھ رہی ہیں
کڑک ہے
چمک ہے
ورق اُڑ رہے ہیں
ورق تھم گئے ہیں
سکوت ــ ایک گمبھیر گہرا سکوت ــ
اِک پُراسرار سناٹا
اک بار پھر رات خاموش ہے

رات کی خامشی میں
بہت دُور سے
نیند میں چُور اک آواز آنے لگی ہے
اس آواز میں رات کی خامشی کا شکستہ وقار
ایک ٹوٹا ہُوا طنطنہ

زخم آلود خود اعتمادی
پکار
احتجاج
اور جانے کہاں کا تاثر ہے

آواز آنے لگی:
تم نہیں جانتے
تم جو ناموس و عصمت کی چھاتی میں آزادیوں کے عَلم گاڑتے ہو
مجھے تم نہیں جان سکتے
سیاست کے بازار کی جنس کو کون پہچان پائے
کسے دھیان آئے
کہ میں کون ہوں
قوم کے رہنما
میری تقدیس کو بیچ کر
اک نئی جنگ
اک تازہ سوداگری کے لیے

http://www.pakfunplace.com

پھر سے تیاریاں کر رہے ہیں
میں اس شور میں آج کس کو پکاروں
بتاؤں کسے
کس کو آواز دوں
کس سے یہ راز کہہ دوں
کہ میں مذہب و نسل کے چند رنگیں غباروں کے بدلے میں بیچی ہوئی
ایک عورت ہوں
بیٹی ہوں
بیوی ہوں
ماں ہوں
بہن ہوں
میں اک مغویہ ہوں!"

۱۹۴۸ء

فن برائے فن

ابھی تو ڈوب رہی ہے لہو میں راہِ حیات
ابھی حکایتِ عشق و جمال کون سنے
عظیم ادب کے نقیبو!
بڑے ادب کے مریضو!
مجھے بھی یاد ہیں وہ خواب ناک افسانے
جو اس جہاں سے بہت دُور، اک جزیرے پر
پنپ رہے ہیں گھنی چھتریوں کے سائے میں
مگر یہ ٹھوکریں کھاتا ہُوا غریب انساں
تہی شکم ہے، تہی دست ہے، تہی دل ہے
بڑے ادب کے بجائے بڑا سوال یہ ہے
کہ اس کے ہاتھ سے نوچے ہُوئے نوالوں کو
کوئی نگل نہ سکے

http://www.pakfunplace.com

نگل سکے تو یہ بن جائیں ایسے انگارے
جنھیں اُگل نہ سکے
تمھیں "دوام" سے مطلب، مجھے عوام سے کام
فقط عوام کے دم سے ہے زندگی کو دوام
مگر یہ دَور — یہ اس دَور کے غریب عوام
اناج اُگائیں مگر احتیاج کے ہاتھوں
زباں سلگتی سلاخوں پہ دھر کے مر جائیں
علیم ادب کے نقیبو! مجھے اجازت دو
کہ میں تمھاری اولوالعزمیوں سے کترا کر
حقیقتوں سے نبرد آزما رہوں، جب تک
عوام کو بھی ہمارا "دوام" راس آئے
ابھی حکایتِ عشق و جمال کون سُنے
ابھی تو ڈوب رہی ہے لہو میں راہِ حیات

۱۹۴۸ء

ارتقا

ہم کہاں سے چلے تھے ؟
کہاں جائیں گے ؟
ہم کہاں جائیں گے ؟
ہم عناصر کے طوفاں میں
تنکوں کی مانند
جانے کہاں سے چلے تھے ؟
کہاں جائیں گے ؟
ہم کہاں جائیں گے ؟

اس قدر یاد ہے
ہم نے چشموں میں جب اپنے پیکر کی عریانیاں دیکھ پائیں
تو مارے ندامت کے بھاگے
گھنی جھاڑیوں میں چھپے

http://www.pakfunplace.com

اور گپھاؤں میں دبکے رہے
ایک مدت کے بعد
اپنی عریانیوں کے تصور سے مامون ہو کر اُٹھے
اور لپکتے ہوئے پھر سے چشموں پہ آئے
تو مارے حیا کے سمٹتے ہوئے
ہم نے لبو ترے سبز پتوں میں اپنے بدن کو چھپایا
افق سے مگر ایک آندھی اُٹھی
جس نے پتوں کے ملبوس پر تند یلغار کر دی
اپھٹتے ہوئے سبز پتے سنبھالے ہوئے
لڑکھڑاتے ہوئے پھر سے چشموں پہ آئے
تو مارے ندامت کے ہم نے خلاؤں میں ان قوتوں کو ٹٹولا
جو انسان کو ستر پوشی سے محروم رکھنے کی خواہش میں
اس درجہ سنجیدگی سے
لپکتی جھپٹتی رہیں
کون ہیں وہ؟
کہاں ہیں؟

کہاں ہیں ہمارے ارادوں کے قاتل
امنگوں کے دشمن؟
کہاں ہیں ہمارے شعور و خرد کو کھلونوں کی مانند چکرانے والے؟
تڑپتے ہوئے
بلبلاتے ہوئے
ہم نے دریاؤں سے
کوہساروں سے
نیلے سمندر کے چنگھاڑتے پانیوں سے
ہواؤں سے
مبہم خلاؤں سے
تاروں سے
عرشِ بریں کی بہاروں سے پوچھا
مگر بازگشت اک الم ناک سناٹا بن کر
ہمارے تخیل پہ مکڑی کے جالے سے بنتی رہی
اور ہم مدتوں تک بھٹکتے رہے
سر پہ پُرہول بادل گرجتے رہے

http://www.pakfunplace.com

بجلیاں ہر طرف جگمگاتی رہیں
آندھیاں چار سُو پیچ کھاتی رہیں
دندناتی رہیں
دھوپ کتنے الاؤ جلاتی رہی
راستوں پر جہنم سجاتی رہی
چمچماتی رہی
ہم عناصر کے طوفاں میں
تنکوں کی مانند اُڑتے رہے
اور ٹوٹے ستاروں کو چُنتے رہے
یک زباں ہو کے ہم پوچھتے تھے
ہمارے بھٹکتے ہوئے ہم نصیبو!
کہو
ہم کہاں سے چلے تھے؟
کہاں جائیں گے؟
ہم کہاں جائیں گے؟

اس قدر یاد ہے،
جب ہمارے تجسس نے تھک کر پروں کو سمیٹا
تو یہ ڈر خیالات میں سرسرایا
کہ ہم اتنے بے مایہ ہیں
بے حقیقت ہیں
بے دست و پا ہیں
کہ رُکنے کی کوشش کریں
تو عناصر کی طغیانیاں آدھمکتی ہیں
اور یوں نچاتی ہیں ہم سب کو
جیسے بھنور میں پھنسی سیپیاں!
جانے وہ کون ہے
جس کے ہاتھوں میں باگیں ہیں مٹی کی
پانی کی
آتش کی
اور اُن ہواؤں کی
جو گنگناتی بھی ہیں

http://www.pakfunplace.com

وندناتی بھی ہیں
جانے وہ کون ہے!

اس قدر یاد ہے،
ہم نے اک روز سورج کی آتش فشانی سے ڈر کر
خلوص اور محبت سے سجدہ کیا
اور سورج نے ہنس کر
ہماری عقیدت پہ زرّیں شعاعوں کے سہرے بکھیرے
مگر جھٹپٹے نے
ہمارے خداوند کو یوں سمیٹا
کہ جیسے ازل سے یہاں تیرگی کی حکومت رہی ہے
معاً چاند روشن ہوا
چار جانب اُجالے کی نہریں بہاتا ہوا
مسکراتا ہوا
اور ہم مات کھائی عقیدت کا تابوت لے کر بڑھے
چاندنی میں نہاتے ہوئے

گنگناتے ہوئے،
ہم نے سجدے کیے
ہم نے مالاؤں پر چاند کی عظمتوں کے قصیدے پڑھے
پو پھٹے تک نہ جانے کہاں تک بڑھے تھے
کہ ناگاہ مشرق سے نیزے اُٹھے
اور ہمارے خداوند کے نقرئی فرغلوں میں اُلجھ کر رہے
تو نہ وہ نور تھا اور نہ انداز تھے
بس خداوندِ خاور کی مانند
اک مضمحل راز تھے

اس قدر یاد ہے
ہم فنا کے تصور سے مبہوت تھے
جو خیالات تھے، غیر مربوط تھے

کون ہیں ہم؟
کہاں سے چلے ہیں؟
کہاں جائیں گے؟
ہم کہاں جائیں گے؟

http://www.pakfunplace.com

قافلے کی قیادت بقا چاہتی ہے
مگر ہم فنا کے جزیروں پہ
ان ناریل کے درختوں کی مانند استادہ ہیں
جو گرجتی ہوئی تند آندھی کے ریلے میں
جھکتے ہیں، اور ٹوٹ جاتے ہیں
تنہائیوں کے سمندر پہ
کچھ بلبلے
تھرتھراتے ہیں
اور پھوٹ جاتے ہیں
اور کائنات ایک چکر میں بے سُدھ رواں ہے
نہ جانے مسافر کی منزل کہاں ہے!

ہمیں یاد ہے
ہم بھٹکتے بھٹکتے چٹانوں میں آئے
چٹانیں جو روزِ ازل سے
انہی زاویوں پر کھڑی تھیں

جہاں ان کو تخلیق کی قوتوں نے جمایا!
یہی ہے،
ہمارے تصور کی منزل یہی ہے
یہیں ہے
ہمارے خیالاتِ وارفتہ قسمت کا معبد یہیں ہے
چٹانوں کے پردوں سے اصنام یوں جھانکتے تھے
کہ جیسے ہمارے تجسس کی ناکامیوں سے پریشاں بھی ہیں
اور شاداں بھی ہیں
جیسے دوشاخہ تیشوں کی اک چوٹ سے
وہ لپک کر چٹختی چٹانوں سے نکلیں گے
اور جاودانی سکوں کی بہشتوں میں لے جائیں گے
زندگی کے مزے آئیں گے
لیکن اک رات
جب ساری دھرتی تڑپنے لگی
کوہساروں پہ آتش بھڑکنے لگی
اور پگھلی ہوئی موت

http://www.pakfunplace.com

لاوے کی صورت میں بہنے لگی
ہم سے کہنے لگی
"اب کہاں ہیں وہ سنگیں خدا؟
مندروں کے دلارے
سہارے تمہارے!
نوالے ہمارے!
بلاؤ انھیں
جاودانی سکوں کی یہ جنت دکھاؤ انھیں!"
تو اچانک ہمارے خداؤں کی لاشوں میں
اک اور بھی لاش دھم سے گری!
وہ سکوں لُٹ گیا
جو ہزاروں برس کی ریاضت سے حاصل کیا تھا

مگر اس قدر یاد ہے
ہم نے "محسوس" سے "غیر محسوس" کی سمت دیکھا
کہ شاید دھندلکوں کی اس سرمدی خامشی میں

ہمیں اپنے دکھ کا مداوا ملے
کوئی ملجا و ماوی ملے
کوئی ایسی حقیقت
جہاں چند لمحے اماں مل سکے
جو یہاں اتنی نایاب ہے
تو وہاں مل سکے
ہم نے مرمر کے محلوں کو بلور کی مشعلوں سے سجایا
خیالوں کا معبد بنایا
اسی کی تجلی سے مرعوب و مخمور ہو کر اُٹھے
اور انسانیت کے خیاباں میں
ہم گھومتے گنگناتے چلے جا رہے تھے
کہ رستے میں اک آئینہ جھلملایا
لپک کر اُٹھایا
تو روزِ ازل کی طرح اپنے پیکر کو عریاں ہی پایا!
ندامت کے مارے
تمدن کے غاروں میں

http://www.pakfunplace.com

تہذیب کی گھاٹیوں میں
فنونِ لطیفہ کی لہروں میں
چھپتے ہوئے اور دبکتے ہوئے
ہم مساوات کے گلشنوں میں جب آئے
اخوت کے پتوں سے پیکر کی عریانیوں کو چھپایا
حقیقت کا طوفان لیکن ہمارے تعاقب میں آیا

مگر آج
ہم آخری بار
اپنی پُراسرار دنیا کی ان قوتوں سے نمٹنے چلے ہیں
جو روزِ ازل سے
ہمیں ستر پوشی سے محروم رکھنے کی خواہش میں
اس درجہ سنجیدگی سے
لپکتی جھپٹتی رہی ہیں

۱۹۴۸ء

خزاں کے پھول

بین پت جھڑ میں شہنشاہ کا فرمان ملا
"حاجبو! پھول! مہکتے ہوئے، ہنستے ہوئے پھول!
مابدولت کو یقیں ہے کہ خزاں کے باوصف
مملکت کے کسی گوشے میں چمن کھلتے ہیں
آج سلطانۂ عالم کے لبوں کی سُرخی
اتنی گہری ہے کہ دل پر بھی گمانِ گُل ہے
ہم شبستانِ شہی میں نہیں رکھیں گے قدم
بسترِ قاقم و سنجاب ہمیں ڈس لے گا
گو سجایا ہے کنیزانِ حرم نے اس کو

http://www.pakfunplace.com

اس کی پھیلی ہوئی باہوں میں ہے دنیا آباد؛
عنبر و عود بھی ہے، بادۂ گلفام بھی ہے
مشک ہے، عطر ہے، شمعیں ہیں، مگر پھول نہیں
پھول لاؤ کہ مہکتے ہوئے پھولوں کے بغیر
ہم شبِ وصل کا اعلان نہیں کر سکتے
اور سلطانۂ عالم کے لبوں کی سرخی
اتنی گہری ہے کہ دل پر بھی گمانِ گل ہے!"

شام کو دھول اڑاتے ہوئے لوگوں کا ہجوم
پھول ہی پھول سمیٹے ہوئے آ پہنچا ہے
قصرِ شاہی کے چمکتے ہوئے زینوں پر سے
مسکراتے ہوئے سلطانِ جہاں اترے ہیں
اور صندل کی مہکتی ہوئی چلمن کے ادھر
آج سلطانۂ عالم کے لبوں کی سرخی
اتنی گہری ہے کہ ہر شے پہ گمانِ گل ہے!

گونج اٹھی چار طرف حاجبِ اعلیٰ کی صدا:
"حاجبو! پھول سمیٹو کہ شہنشاہِ جہاں،
اپنے خدّام کو دیدار کی دولت بخشیں!"

اور پھر ظلِ الٰہی نے یہ ارشاد کیا:
"بادولت کو خوشی ہے کہ نمک خواروں نے
عین پت جھڑ میں بہاروں کا سماں باندھ دیا
بادولت کو مگر اس پہ تعجب ہے ضرور
اتنے انبار سے مہکار کہاں غائب ہے!"

یک بیک دھول اڑاتے ہوئے لوگوں کا ہجوم
یک زباں ہو کے بڑے کرب سے پھنکارتا ہے
"آسماں جاہ شہنشاہ کا اقبال بلند!
ہم نے تپتے ہوئے صحراؤں کو دن بھر چھانا
ہم نے ٹیلوں کے کلیجوں میں اتر کر دیکھا

http://www.pakfunplace.com

ہم نے جھلسے ہُوئے پربت میں دراڑیں ڈالیں
ہم نے پت جھڑ کو خدا مان کے سجدے بھی کیے
لیکن اک پھُول کی پتّی بھی نہ پائی ہم نے
اور اب جاں کی اماں پائیں تو یہ عرض کریں
شاہِ ذی جاہ کے بھیجے ہُوئے کارندوں نے
عین پت جھڑ میں بہاروں کا سماں باندھ دیا
اور کوڑوں کے توا تر سے جو گُل کھِلتے ہیں
رنگ دے سکتے ہیں، مہکار نہیں دے سکتے!"

۱۹۶۹ء

میں تمھارا ہُوں

تم کہاں ہو؟
کہاں ہو مرے ساتھیو؟
میں محبّت کی ناکامیوں کے دھندلکوں میں لپٹا ہُوا
اس بلندی پہ آ کر رُکا ہوں جہاں
زندگی اوس کا ایک موتی ہے
جس کے لیے لمس بھی موت ہے
آگہی پھُول کی ایک نازک سی پتّی ہے
جس کے لیے زندگی بار ہے:
حسن خوشبو کا جھونکا ہے
اُڑتے ہوئے وقت کے بازوؤں سے لپٹتا ہُوا!
عشق پرواز کے روپ میں ایک افتاد ہے!
کائنات اک کھلونا ہے
جو گھومتے تھک چکا، تھم چکا ہے!

http://www.pakfunplace.com

جدھر دیکھتا ہوں، فضا ہے، خلا ہے
فضا کا سکوتِ مسلسل صدا بن رہا ہے
خلا کا پُراسرار سناٹا بانگِ درا بن رہا ہے
مگر سمت اس کی معین نہیں
تم کہاں ہو، کہاں ہو مرے ساتھیو
تم صدا دو، صدا دو مرے ساتھیو
میں اکیلا ہوں
گم کردہ رہ ہوں
بچاؤ مجھے
آج اُس زندگی کے مناظر دکھاؤ مجھے
جس میں مزدور کی ضرب شعلے اُگاتی ہے
پتھر کو سونا بناتی ہے
اور ایک خاموش فریاد بن کر
مؤرخ کی تحریر میں ڈوب جاتی ہے
(اور افلاک کے دریچے میں نورِ سحر کی طرح جھلملاتی ہے)

آؤ مرے ساتھیو!
مجھ کو کھیتوں میں لے جاؤ
دہقاں جہاں زندگی کاشت کرتے ہیں
چپ چاپ مرتے ہیں
اوراقِ تاریخ پر دھول بن کر اُڑتے ہیں
(ادراکِ انساں کے صحراؤں پر پھول بن کر اُڑتے ہیں)
مجھ کو بچاؤ مرے ساتھیو
مجھ کو زخموں کی دنیا میں لے جاؤ
ننھے فرشتوں کی لاشوں کے انبار میں
بیٹیوں اور بہنوں کے بازار میں
اُن دیاروں میں
جن کی چمک عارضوں سے نچوڑی گئی
جن میں فرعون و ہامان بستے ہیں
انسان کے بھیس میں چند شیطان بستے ہیں
دانتوں میں انسانیت کا کلیجہ دبائے ہوئے
اپنے چہروں پہ ماحول و مذہب کا غازہ لگائے ہوئے

http://www.pakfunplace.com

زندگی جس جگہ اک مسلسل مشقت ہے
اور آگہی ایک کانٹا ہے
جو ہڈیوں میں اُترتا چلا جا رہا ہے
مگر ٹوٹتا ہی نہیں!

اے مرے ساتھیو
مجھ کو آواز دو
ماورائی دھندلکوں میں لپٹی ہوئی
ذوق و وجدان کی رفعتوں سے اتارو مجھے
اب لہو اور پسینے کی دنیا میں لاؤ مجھے
اصل میں —
آج اس کمرے میں کوئی شے چرمرائی تھی
کچھ اس طرح کی اک آواز آئی تھی
جیسے کوئی آبگینہ چٹخ جائے!
مجھے ہر طرف مشعلیں سی نظر آئی تھیں
جن کی لاکھوں دریدہ زبانیں

اندھیرے کو یوں چاٹتی پھر رہی تھیں
کہ جیسے ستاروں کا انبوہ، ناگاہ، یلغار کر دے
افق تا افق تیرگی دھجیاں بن کے اُڑنے لگی
مشعلوں کے جلو میں کئی قافلے تھے
درانتی درانتی سے ٹکرا رہی تھی
فضا گا رہی تھی!
خلا گا رہی تھی!
یہی گیت ہے جس نے میری محبت کی نیندیں اُڑائیں
یہی گیت ہے
جس نے وجدان کے مرمریں گنبدوں پر
وہ ضربیں لگائیں
کہ میں اس پُراسرار خلوت میں
گھبرا رہا ہوں
بلندی پہ ہوں
قافلوں سے مگر کتنا پیچھے جا رہا ہوں!

http://www.pakfunplace.com

پکارو مجھے

ساتھیو اس بلندی سے آکر اتارو مجھے

کارواں آدمیت کے آگے بڑھے جا رہے ہیں

مجھے ساتھ دینا ہے ان خود نگر قافلوں کا

جنھیں اپنی قوت پہ ایمان ہے

جن میں مزدور ہیں اور دہقان ہیں

جن میں انسانیت کے محافظ ہیں

جو صرف انسان ہیں

جن کے ہاتھوں پہ مٹی ہے

بالوں میں تنکے ہیں

ہونٹوں میں پیاسیں ہیں

ملبوس پر سرخ دھبے ہیں

آنکھوں میں قندیل کی جھلملاہٹ ہے

اے ساتھیو

اس پراسرار سناٹے میں گونجتی گنگناتی ہوئی

کس کی آہٹ ہے؟

یہ کتنی صدیوں کا رد ہوا آدمی ہی نہ ہو

ساتھیو!

یہ مرے کھوج میں خود مری زندگی ہی نہ ہو

میں بلندی سے تنہا اترنے لگا ہوں

پلٹ کر ذرا مجھ کو پہچان لو

میں تمھارا ہوں

تم میں سے ہوں

آج سے زندگی کا پجاری ہوں

محنت کشوں کی جبینوں کی تابندگی کا پجاری ہوں

انسانیت کے مقدر کی رخشندگی کا پجاری ہوں

میں زندگی کے لیے اپنے فن کا فسوں نذر لایا ہوں

تابندگی کے لیے اپنا خوں نذر لایا ہوں

رخشندگی کے لیے اپنا سوزِ دروں نذر لایا ہوں میں

۱۹۴۹ء

http://www.pakfunplace.com

وقت

سر برآوردہ صنوبر کی گھنی شاخوں میں
چاند بلور کی ٹوٹی ہوئی چوڑی کی طرح اٹکا ہے
دامنِ کوہ کی اک بستی میں
ٹمٹماتے ہیں مزاروں پہ چراغ
آسماں سرمئی فرغل میں ستارے ٹانکے
سمٹا جاتا ہے، جھکا آتا ہے
وقت بیزار نظر آتا ہے!

سر برآوردہ صنوبر کی گھنی شاخوں میں
صبح کی نقرئی تنویر رچی جاتی ہے
دامنِ کوہ میں بکھرے ہوئے کھیت
لہلہاتے ہیں تو دھرتی کے تنفس کی صدا آتی ہے

آسماں کتنی بلندی پہ ہے، اور کتنا عظیم
نئے سورج کی شعاعوں کا مصفا آنگن
وقت بیدار نظر آتا ہے!

سر برآوردہ صنوبر کی گھنی شاخوں میں
آفتاب ایک الاؤ کی طرح روشن ہے
دامنِ کوہ میں چلتے ہوئے ہل
سینۂ دہر پہ انسان کے جبروت کی تاریخ رقم کرتے ہیں
آسماں تیز شعاعوں سے ہے اس درجہ گداز
جیسے چھونے سے پگھل جائے گا
وقت تیار نظر آتا ہے!

سر برآوردہ صنوبر کی گھنی شاخوں میں
زندگی کتنے حقائق کو جنم دیتی ہے
دامنِ کوہ میں پھیلے ہوئے میدانوں پر

http://www.pakfunplace.com

ذوقِ تخلیق نے اعجاز دکھائے ہیں لہو اُگلا ہے
آسماں گردشِ ایام کے ریلے سے ہراساں تو نہیں
خیر مقدم کے بھی انداز ہوا کرتے ہیں
وقت کی راہ میں موڑ آتے ہیں، منزل تو نہیں آسکتی!

سنہ ۱۹۳۹ء

آخری فیصلہ

میری معصوم بیٹی کا اجلا تبسّم
جیسے شبنم کے قطرے میں خورشید کا اوّلیں لمس گھُل جائے!
میری بہنوں کی آنکھوں میں پاکیزگی کی چمک
جیسے برفوں سے آراستہ پربتوں میں ستارے اُتر آئیں!
میری بیوی کے چہرے پہ تخلیق کے ولولے، پرورش کے عزائم
جیسے دھرتی کے شاداب سینے پہ گندم کے اکھوے!
میرے بھائی کے ہاتھوں کی مانوس گرمی
جیسے سرما کی بھیگی ہوئی صبح میں دھوپ مل جائے
میری ماں کا بڑھاپا خلوص اور محبت کا بارِ امانت اٹھائے ہوئے
ڈوبتے چاند کی چاندنی، سوکھتے گلشنوں کا تعطّر!
میرے ابا کی تربت پشاور میں ڈوبی ہوئی
جیسے اُمڈے ہوئے بادلوں میں نہاں مہرِ تاباں!

http://www.pakfunplace.com

میرے احباب کی دندناتی ہوئی محفلیں
جیسے دریا چٹانوں سے ٹکرا کے ہٹتے ہوئے، گھوم جاتے ہوئے، گنگناتے ہوئے!

میرا فن، میری انسانیت، میری تہذیب، میرا تمدن، مری زندگی، میری دنیا
میں ان کی بہار آفرینی کا اک خود نگر پاسباں ہوں
خزاں ان کی جانب ہزار اپنے پنجر کا سایہ گرائے
گمان میں کلیاں چٹکتی رہیں گی، شگوفے نکلتے رہیں گے، خیاباں مہکتے رہیں گے
کہ آج ایک انساں کا دل ساری انسانیت کا حرم ہے
آج دنیا میں جتنے بھی انسان ہیں — ایک انسان ہیں
آج ایک آدمی آدمیت مجسم ہے
اور آدمیت کا یہ آخری فیصلہ ہے —
کہ ہم اپنی دنیا کو ویران ہونے نہ دیں گے
ہم نئی جنگِ عالم کا اعلان ہونے نہ دیں گے

سنہ ۱۹۵۰ء

نیا ایشیا

(ظلم کے خلاف لڑنے والے فن کاروں کے نام)

۷ فروری ۱۹۳۱ء کو چین میں چیانگ کائی شیک کی حکومت نے چھ نوجوان ترقی پسند ادیبوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔
۷ فروری ۱۹۴۹ء کو انجمن ترقی پسند مصنفین لاہور نے ان چھ فن کاروں کی یاد میں ایک خاص اجلاس منعقد کیا۔ یہ نظم اسی موقع پر لکھی اور پڑھی گئی

زندگی کے ہیولے بناتا رہا ایشیا
زندگی سے بہت دور جاتا رہا ایشیا
ایشیا ایک ایسا کھلونا رہا جس میں یورپ سدا کوک بھرتا رہا
ایشیا کے ذخیروں میں غلّے کے بدلے فرنگی سدا بھوک بھرتا رہا
ایشیا ایشیائی کے ہاتھوں سے پیہم نکلتا رہا
ایشیا ایک ایسے خطرناک سانچے میں ڈھلتا رہا
جس میں مفلس کی پرچھائیں دھجی سی بن کر لٹکنے لگے
جس میں مجبور کی آہ کانٹا سا بن کر اٹکنے لگے

http://www.pakfunplace.com

جس میں دہقان جائے تو اپنے لہو سے گلستانِ شاہی سجاتا پھرے
جو بھی انسان جائے وہ انسانیت کی ہزیمت کا پرچم اڑاتا پھرے
جس میں بچے کی چیخیں کھنکنے لگیں
جس میں عورت کی آہیں چھنکنے لگیں
جس میں بیوہ کے آنسو نگینے بنیں
جس میں عصمت کے بلبے دفینے بنیں
جس میں نمرود جھانکے تو عود اور عنبر کی خوشبو کا سیلاب گانے لگے
جس کو مزدور چھو لے تو کرشن دم اڑیں اور اژدر کی پھنکار آنے لگے
ایشیا اک نہایت خطرناک سانچے میں ڈھلتا رہا
ایشیا ایشیائی کے ہاتھوں سے پیہم نکلتا رہا

کون جانے سیاست بہ ایں دعویٔ ارتقا کتنے پانی میں ہے
کون جانے کہ وقت آج ساکن ہے یا حسبِ عادت روانی میں ہے
کون جانے کہ انسان اپنی طہارت کو محکوم رہ کر بھی کھوتا نہیں
کون جانے کہ آدم مظالم کے پاٹوں میں پس کر بھی نابود ہوتا نہیں
کون جانے کہ جب شاخ پر برف جمتی ہے، کونپل کی تخلیق رکتی نہیں

کون جانے کہ بہتے ہوئے پانیوں میں کرن ٹوٹ سکتی ہے، جھکتی نہیں
کون جانے کہ اُجڑی ہوئی وادیاں کن بہاروں کو تکتی ہیں شام و سحر
کون جانے، سیاہ آسمانوں پہ رہتی ہے کیوں تشنہ لب گلشنوں کی نظر
کون جانے تضاد ایک دیرینہ دستور ہے
کون جانے کہ ہر تیرگی میں نہاں نور ہے
کون جانے، شرف آدمیت کا فانی نہیں
کون جانے کہ یہ بیش قیمت صداقت کہانی نہیں
کون جانے کہ راتوں کے دامن میں جو ظلمتیں ہیں ستاروں سے لبریز ہیں
کون جانے کہ سیلاب کی راہ میں سربرآوردہ کہسار مہمیز ہیں
کون جانے کہ طوفاں کی آغوش میں جتنے کانٹے ہیں اتنی ہی کلیاں بھی ہیں
کون جانے، مؤرخ کی نظروں میں اس وقت محلوں کے ہمراہ گلیاں بھی ہیں
کون جانے کہ بھوبھل کی چنگاریاں اک فلک رس الاؤ کی غمّاز ہیں
کون جانے کہ جمہور کی متیتیں ماضی و حال میں محوِ پرواز ہیں

یہ وہی جانتے ہیں جو احساس کی نرم پوروں سے چھوتے ہیں نبضِ جہاں
یہ وہی جانتے ہیں جو بھولے نہیں آدمی زاد میں آدمی کا نشاں

http://www.pakfunplace.com

یہ وہی لوگ ہیں جن کو سکّوں کی جھنکار ڈستی نہیں
یہ وہ انسان ہیں جن کی انسانیت اتنی سستی نہیں
یہ وہی "لالا اُبالی" ہیں جن کی خموشی میں پوشیدہ چیخوں کا طوفان ہے
یہ وہی "سر پھرے" ہیں جنھیں اب بھی انسان کی سرفرازی پہ ایمان ہے
یہ وہی ہیں جنھیں تیزآنچوں میں پالا گیا
یہ وہی ہیں جنھیں بھٹیوں میں اچھالا گیا
یہ وہی ہیں جو شاہوں کو نوکِ قلم سے پچھاڑا کیے
یہ وہی ہیں جو فغفور و خاقان تک کو لتاڑا کیے
یہ وہی ہیں کہ جن کا لہو مشعلیں بن کے ہر دیس میں جگمگاتا رہا
یہ وہی ہیں کہ جن کا جنازہ نشانِ سفر بن کے رستہ دکھاتا رہا
یہ وہ سردار ہیں جن کے ہاتھوں میں باگیں ہیں ایام کی
یہ وہ سرکش ہیں جن کو ستاتی نہیں فکر انجام کی
یہ وہی ہیں جنھیں سربلندوں کا معتوب ہونا پڑا
یہ وہی ہیں جنھیں ہر زمانے میں مصلوب ہونا پڑا
یہ وہی لوگ ہیں جن کی ہیبت سے روحِ زمانہ لچکتی بھی ہے اور دھڑکتی بھی ہے
یہ وہی لوگ ہیں جن کی تحریر میں زندگی لہلہاتی بھی ہے اور بھڑکتی بھی ہے

چند ایسے ہی فن کار تھے جن کے ہونٹوں پہ تاریخ کی گرد جمنے نہ پائی کبھی
ان کے سینوں سے جو دھار پھوٹی لہو کی وہ ینگ سی کی مانند تھمنے نہ پائی کبھی
یہ وہ اہلِ قلم تھے کہ جن کا تھا معیارِ فن زندگی کی نمائندگی
ظلمتوں کے جگر سے جنھوں نے نچوڑی تھی اک غیر فانی درخشندگی
یہ وہی تھے جنھوں نے گراں مایہ جمہوریت کو نہ بیچا کسی اجنبی ہات میں
یہ وہی تھے جو مینارِ انوار بن کر چمکتے رہے ایک لمبی سیہ رات میں
یہ وہی تھے جو یورپ کے سوداگروں کو ڈپٹتے رہے —
"ہم نہ بیچیں گے بھولے سے بھی آبروئے وطن
گنگناتی ہوئی ندیاں ہیں ہماری، ہماری ہیں یہ لہلہاتی ہوئی کھیتیاں مسکراتے چمن
زر دمٹی کا ایک ایک دانہ ہمارا ہے، ہم چینیوں کا خزینہ ہے یہ
چاولوں کے اس انبار کو چھوڑ دو، ہم کسانوں کا جلتا پسینہ ہے یہ
ہم کروڑوں کی محنت کو کیوں چند لوگوں کی جھولی میں ڈالیں بھلا
ہم غلامی کے اک نقرئی روپ کا راستہ کیوں نکالیں بھلا
قلبِ جمہور کو بھون کر ایک آمر ضیافت اُڑاتا پھرے!
اور فن کار خوابوں کے اُلجھے ہوئے تانے بانے اُڑاتا پھرے!
آدمیت امانت ہے فن کار کی، اور دیانت کا ہے دوسرا نام فن

http://www.pakfunplace.com

اور ہمارے دلوں کو ہے اس فن کی تابندگی و درخشندگی کی لگن
ہم نے اک عزم سے اپنے بلبے سے خود اپنی تعمیر کی
جانے کس زعم میں تم سناتے ہو جھنکار زنجیر کی !"

یہ وہ آواز تھی جس کو پہیم دبایا گیا
یہ وہی آگ تھی جس کو صدیوں بجھایا
یہ وہی سیل تھا جس کے رستے میں کہسار حائل ہوئے
یہ وہی پھول تھا جس کی پوجا پہ گلزار مائل ہوئے
زندگی چار سُو پھڑپھڑانے لگی
آدمیت معاً مسکرانے لگی

خود شناسی کا سیلاب اس زور سے چین کی سرزمیں پر مچلنے لگا
جیسے اک منجمد اور ساکن سمندر اچانک چٹخ کر ابلنے لگا
ہل کی مٹھی پہ جو ہاتھ جمتے رہے یوں بڑھے جیسے تارے اُڑا لائیں گے
گرد آلود پاؤں اُٹھے اس طرح جیسے دھرتی کو ہموار کر جائیں گے
اس تغیر کو تاریخ داں کی زباں میں بغاوت کہیں
یا ستم خوردہ انسانیت کی زباں میں طہارت کہیں

یہ اس آواز کا ایک اعجاز تھا جس کو پہیم دبایا گیا
یہ اسی آگ کا ایک انداز تھا جس کو صدیوں بجھایا گیا
آمریت طہارت کی بدخواہ ہے، آمریت کو طیش آگیا
یہ وہ نعرہ تھا جو گونج کر اجنبی زر پرستوں کو چکرا گیا
چھ ادیبوں کو شنگھائی میں ٹھوکروں سے اُچھالا گیا
فن کی بھڑکی ہوئی آگ پر خونِ فن کار ڈالا گیا

جو زبانیں کہ اعلانِ حق میں کٹیں، احتجاجِ مسلسل بنیں ایک دن
جو کراہیں گلے میں دبا دی گئیں، آسماں پوش بادل بنیں ایک دن
جو ترانہ کہ تلوار کے وار سے بیچ میں کٹ گیا، اک سبق بن گیا
خون جو جذب ہوتا رہا خاک میں، صبحِ نو کے افق کی شفق بن گیا
نوجواں فن طرازوں کی لاشوں سے پھوٹی وہ کونپل جو اَب ایک گلزار ہے
یہ تعطر جو اٹھکیلیاں کر رہا ہے، اسی گُل کدے ہی کی مہکار ہے
برِ اعظم کے فرمانروا اب سمٹ کر جزیروں کو آباد کرنے لگے
جو کروڑوں کی فریاد سے بے خبر تھے، زمانے سے فریاد کرنے لگے
یہ انہی چھ ادیبوں کا فیضان ہے

http://www.pakfunplace.com

چین کے ذرّے ذرّے میں ہیجان ہے
یہ وہ ہیجان ہے جو گجردم ستاروں میں دیکھا گیا
جو بہاروں سے پہلے اُجڑتے نظاروں میں دیکھا گیا
خونِ ناحق سدا رنگ لاتا رہا
گو مؤرخ اسے بھول جاتا رہا
خون اور وہ بھی مخلص قلم کار کا، حرّیت کے صحیفے کا عنوان ہے
خونِ فن کار کا اصل میں امتوں کے شگفتہ مقدّر کی پہچان ہے
جس شہادت کا انجام ہے زندگی
اس کا اک دوسرا نام ہے زندگی

اے مرے ہم نصیبو، مرے ساتھیو، اے مرے دوستو، اے مرے
ہم صفیرو، اُٹھو
اے روایاتِ محکومیت کے روپہلی مگر ٹوٹے پھوٹے قفس کے اسیرو، اُٹھو
دیکھو دیکھو، ہری ڈالیوں پر چمکتے ہیں پھولوں کے تارے، اُٹھو
دیکھو دیکھو، ہرن ہر طرف دشت میں بھر رہے ہیں طرارے، اُٹھو
دیکھو دیکھو، وہ خورشید افق پر ٹھٹک کر خدا جانے کیوں مسکرانے لگا

دیکھو دیکھو، سنہری دھندلکا بہت دور ہٹ کر ہمیں کو بلانے لگا
ہم مساوات کے جب علمدار ہیں، کیوں وہی ہیں نشیب و فرازِ جہاں
جب ہمیں آشیاں کی بنا ڈالتے ہیں، ہمیں سے گریزاں ہے کیوں آشیاں
جب ادب زندگی کا اک آئینہ ہے تو یہ آئینہ ہر آدمی کو دکھاتے چلو
جب کوئی نقشِ باطل نظر آئے تم کو، تو اس کو خود اپنے لہو سے مٹاتے چلو
خونِ فن کار پھولوں سے بڑھ کر حسیں اور بہاروں سے بڑھ کر تعطر فشاں
خونِ فن کار میں ہیں تمام آدمیت کی سب نو دمیدہ اُمنگیں رواں
اے رفیقو، تمھی سے فنا گاہِ عالم میں رنگِ دوام آئے گا
اب تمھارے لہو کا جو قطرہ گرے گا وہ نسلوں کے کام آئے گا
پھر افق کی کماں میں تناؤ سا ہے
قلبِ انساں میں پھر ایک گھاؤ سا ہے
ایشیا منتظر ہے کہ انسانیت اس کے رمنوں میں گانے لگے، چہچہانے لگے
آؤ آؤ، قدم یوں اُٹھاؤ، کہ لاکھوں کروڑوں شہیدوں کی محنت ٹھکانے لگے

۱۹۴۹ء

http://www.pakfunplace.com

(۵)

غزلیں

ازاں زماں کہ بحافظ رسید صوتِ حبیب
فضائے سینہ ز شوقم ہنوز پر ز صدا ست

http://www.pakfunplace.com

صبح میں دیکھتا ہوں شام کے آثار ابھی
زیست ہے میرے لیے مستقل آزار ابھی

میں جسے شرطِ ادب کہتا ہوں، تو فرطِ حیا
عشق اور حسن میں حائل ہے وہ دیوار ابھی

راہیں لُٹ سی گئیں، مٹ سے گئے قدموں کے نقوش
سُن رہا ہوں تری پازیب کی جھنکار ابھی

تیرے پیکر کے تصور سے، خزاں کے باوصف
شاخِ گُل صحنِ گلستاں میں ہے گل بار ابھی

پرفشاں کب سے فضا میں ہے مری مشتِ غبار
تیری آنکھوں کے ثوابت نہیں ستیار ابھی

http://www.pakfunplace.com

کشتِ ویراں! ابھی برسات کی رُت باقی ہے
بدلیاں جھوم رہی ہیں سرِ کہسار ابھی

ابھی انساں کو مانوسِ زمیں ہونا ہے
نہرِ مہتاب کے ایواں نہیں درکار ابھی

کتنے ساگر ہیں سنبھالے ہُوئے ناسفتہ گُہر
کتنے اسرار ہیں آمادۂ اظہار ابھی

ضبط، اے شوخیٔ گفتار، سنبھل اور سنبھال
ڈھل رہا ہے مرے احساس میں کردار ابھی

ابھی نسلوں کے اک انبوہ میں محبوس ہوں میں
آدمیّت کے تقاضے نہیں بیدار ابھی

مژدۂ حریتِ فکر سنانے والو!
کتنے منصور ہیں موجود سرِ دار ابھی!

مئی ۱۹۴۷ء

اگر حضور ابھی مائلِ ظہور نہ تھے
تو تشنگانِ محبت بھی ناصبور نہ تھے

اُفق کی دُھند میں لپٹے ہُوئے چراغ سے ہیں
وہ دن جب آپ کے انداز پُرغرور نہ تھے

جزا تو خیر، سزا کے لیے ترستے رہے
غلام آپ کے، اتنے تو بے قصور نہ تھے

پسِ نقاب مری بے بسی پہ قہقہہ زن
میں جانتا ہوں کہ تقدیر تھی، حضور نہ تھے

رسائیٔ وصل میں ہے انتہائے سرشاری
مسافرانِ محبت تھکن سے چور نہ تھے

مرے نصیب کو کیوں تابعِ نجوم کیا
اگر نجوم مری دسترس سے دُور نہ تھے

میں مصلحین کا منکر نہیں ندیم — مگر
کسی کے مدِ نظر عشق کے امور نہ تھے

مئی ۱۹۴۷ء

http://www.pakfunplace.com

○

بگاڑ ہو کہ بناؤ، عجیب تیرے سبھاؤ
نگاہوں میں ہیں بلاوے تو ابروؤں میں تناؤ

گجر بجے ہے سہانا، مگر کرو نہ بہانہ
جھکا قمر نہ دکھاؤ، بجھا چراغ جلاؤ

اگر گھنا ہو اندھیرا، اگر ہو دور سویرا
تو یہ اصول ہے میرا، کہ دل کے دیپ جلاؤ

اجڑ رہے ہیں گھرانے، بدل رہے ہیں زمانے
لپک رہے ہیں دوانے، اُتار ہو کہ چڑھاؤ

خدا کے لب پہ ہنسی ہے، خدائی جھوم رہی ہے
تمھاری بات چلی ہے، مری حسین خطاؤ!

اِدھر شباب کا مَس ہے، اُدھر شراب کا رس ہے
قدم قدم پہ قفس ہے، ندیم دیکھتے جاؤ

○

مرے سبو میں مری زیست کا لہو تو نہیں!
کہیں مزاجِ زمانہ بہانہ جُو تو نہیں!

ندی کی رَو میں رواں ہے جو ایک برگِ گلاب
کہیں شباب کا ایوانِ رنگ و بُو تو نہیں!

مچل مچل کے اُبھرتی ہے جب چراغ کی لو
میں سوچتا ہوں کہ ان لرزشوں میں تُو تو نہیں

یہ سب درست، شبِ ہجر کی سحر تو ہوئی
مگر شفق میں مرا خونِ آرزو تو نہیں

اُفق کی سمت تو قرنوں سے چل رہا ہے ندیم
کہیں یہ راہنما مجھ سا راہ جُو تو نہیں

فروری ۱۹۳۷ء

http://www.pakfunplace.com

ابھی نہیں اگر اندازۂ سپاس ہمیں
تو کیوں ملی تھی بھلا تابِ التماس ہمیں

افق افق پہ نقوشِ قدم نمایاں ہیں
تلاش لائی کہاں سے تمھارے پاس ہمیں

کبھی قریب سے گزرے، بدن چرائے ہوئے
تو دُور تک نظر آتے رہے اداس ہمیں

جو ہو سکے تو اس ایثار پر نگاہ کرو
ہماری آس جہاں کو، تمھاری آس ہمیں

ڈبو چکا ہے امنگوں کو جس کا سنّاٹا
بلا رہا ہے اسی ازل سے قیاس ہمیں

یہ پوچھنا ہے، کب آدم زمیں پہ اُترے گا
جو لے چلے کوئی کامل، خدا کے پاس ہمیں

یہیں ملیں گے تمھیں پھول بھی، ستارے بھی
بتا رہی ہے دلآویزیٔ لباس ہمیں

۱۹۴۶ء

میں کب سے گوش بر آواز ہوں، پکارو بھی
زمیں پہ یہ ستارے کبھی اُتارو بھی

مرے غیور امنگو، شباب فانی ہے
غرورِ عشق کا دیرینہ کھیل ہارو بھی

سفینہ محوِ سفر ہو تو نارسیدہ نہیں
قدم قدم پہ کنارے ہیں، تم سدھارو بھی

مرے خطوط پہ جمنے لگی ہے گردِ حیات
اُداس نقش گر! اب مجھے نکھارو بھی

بھٹک رہا ہے دھندلکوں میں کاروانِ خیال
بس اب خدا کے لیے کاکلیں سنوارو بھی

مری تلاش کی معراج ہو تمھی لیکن
نقاب اُٹھاؤ، نشانِ سفر اُبھارو بھی

یہ کائناتِ ازل سے سپردِ انساں ہے
مگر ندیم! تم اس بوجھ کو سہارو بھی

۱۹۴۷ء

http://www.pakfunplace.com

○

لبوں میں نرم تبسم رچا کے گھل جائیں
خدا کرے مرے آنسو کسی کے کام آئیں

جو ابتدائے سفر میں دیئے بجھا بیٹھیں
وہ بدنصیب کسی کا سراغ کیا پائیں

تلاشِ حسن کہاں لے چلی، خدا جانے
امنگ تھی کہ فقط زندگی کو اپنائیں

تمام میکدہ سنسان، بیقرار اُداس
لبوں کو کھول کے کچھ سوچتی ہیں مینائیں

بلا رہے ہیں افق پر وہ زرد زرد ٹیلے
کہو تو ہم بھی فسانوں کے راز ہو جائیں

نہ کر خدا کے لیے بار بار ذکرِ بہشت
ہم آسماں کا مکر رفریب کیوں کھائیں

نہیں نہیں، ترے عرفان کا سوال نہیں
جو اذن ہو تو حدِ آگہی سے بڑھ جائیں

ندیم کو بھی تو مڈبھیڑ کی امید نہ تھی
اس اتفاق پہ آپ اس قدر نہ شرمائیں

۱۹۴۷ء

http://www.pakfunplace.com

○

یہ رزم گاہِ عناصر کسی کے کام آئے
خدا کرے مرے بس میں ترا نظام آئے

شباب، گردِ سفر — زندگی، فریبِ نظر
تری تلاش میں ایسے کئی مقام آئے

شکستہ پر ہے ابھی فلسفہ اسیروں کا
قفس کو توڑ کے نکلے تو زیرِ دام آئے

سمجھ میں آ نہ سکا یہ طلسمِ لیل و نہار
کہ دن طلوع نہ ہو پائے اور شام آئے

نہ جانے کون سا آدم ہے آپ کا معیار
کہ ہم تو عرش پہ جا کر بھی ناتمام آئے

۱۹۴۷ء

○

فریبِ رنگ عیاں ہے، جدھر نگاہ کروں
ضمیرِ پاک، بتا، کس کے دل میں راہ کروں

نئے چراغ جلا لوں، مگر یہ عزمِ صمیم
کہ شمعِ کشتہ سے ہر حال میں نباہ کروں

مجھے وہ کیف گوارا نہیں جو فانی ہو
کوئی بتائے کہ اب کون سا گناہ کروں

کلی کلی کی رگوں میں رواں ہے میرا لہو
کسے گلے سے لگاؤں، کسے تباہ کروں

یہ جرم ہے کہ میں گردوں پرست کیوں نہ ہُوا
جو اذن ہو تو ترے حسن کو گواہ کروں

یہ آرزو ہے کہ تیری پناہ کو تج کر
میں تیرے لطف و کرم کو جہاں پناہ کروں

۱۹۴۷ء

http://www.pakfunplace.com

○

پھر بھیانک تیرگی میں آ گئے
ہم گجر بجنے سے دھوکا کھا گئے

ہائے خوابوں کی خیاباں سازیاں
آنکھ کیا کھولی، چمن مرجھا گئے

کون تھے آخر جو منزل کے قریب
آئنے کی چادریں پھیلا گئے

کس تجلّی کا دیا ہم کو فریب
کس دھندلکے میں ہمیں پہنچا گئے

اُن کا آنا حشر سے کچھ کم نہ تھا
اور جب چلے قیامت ڈھا گئے

اک پہیلی کا ہمیں دے کر جواب
اک پہیلی بن کے ہر سُو چھا گئے

پھر وہی اختر شماری کا نظام
ہم تو اس تکرار سے اُکتا گئے

رہنما و! رات ابھی باقی سہی!
آج سیّارے اگر ٹکرا گئے؟

جن کو ہم سمجھا کیے ابرِ بہار
وہ بگولے کتنے گلشن کھا گئے

کیا رسا نکلی دعائے اجتہاد
لیجیے! لگلے زمانے آ گئے

آدمی کے ارتقا کا مدّعا
وہ چھپاتے ہی رہے، ہم پا گئے

اب کوئی طوفاں ہی لائے گا سحر
آفتاب اُبھرا تو بادل چھا گئے

۱۹۴۸ء

http://www.pakfunplace.com

○

دستِ گُل چیں میں کھل رہی ہے کلی
میرے جینے سے اس کی موت بھلی

ابتلا، ابتدائے ذوقِ عمل
یعنی طوفاں اُٹھا تو ناؤ چلی

صبحِ زرّیں، چتا اُمنگوں کی
رات کے ساتھ ہی وہ بات ٹلی

شاخِ اُمید کی بہار نہ پوچھ
برسوں پھولی مگر کبھی نہ پھلی

چشمِ سرشار میں حیا چمکی
ساغرِ مے میں چاندنی کی ڈلی

گردشِ چشم ہے کہ گردشِ دہر
پلکیں جھکنے لگیں کہ دھوپ ڈھلی

کائنات ایک دشتِ بے انجام
اب کہاں ڈھونڈیے کسی کی گلی

۱۹۴۸ء

○

جرس میں جو بات ہے وہ مَس میں نہیں
اب مرا عشق میرے بس میں نہیں

جس میں گُھل جائے خود جرس کا وجود
اک وہ نغمہ ابھی جرس میں نہیں

کس نے ڈھالا تھا پیکرِ آدم
کوئی لذّت اگر ہوس میں نہیں

کاکلیں کھیلتی ہیں شانوں پر
کائنات اب کسی کے بس میں نہیں

شانِ اظہار آنسوؤں کی ندیم
میری فریادِ دُور رس میں نہیں

۱۹۴۸ء

http://www.pakfunplace.com

○

گو مرے دل کے زخم ذاتی ہیں
ان کی ٹیسیں تو کائناتی ہیں

آدمی شش جہات کا دولھا
وقت کی گردشیں براتی ہیں

فیصلے کر رہے ہیں عرش نشیں
آفتیں آدمی پہ آتی ہیں

کلیاں کس دَور کے تصور میں
خون ہوتے ہی مسکراتی ہیں

تیرے دعوے ہوں جن کے شاملِ حال
وہ امنگیں کہاں سماتی ہیں

۱۹۴۹ء

نہاں ہے محشرِ آہنگ زیرِ پردۂ ساز
تری تھکن ہے ترے اضطراب کی غمّاز

مرے نیاز کی تکمیل کس طرح ہوگی
اگر میں پا نہ سکا تیری بے رُخی کا جواز

یہ تیری چاپ ہے یا میرے دل کی دھڑکن ہے
بہت قریب سے آئی ہے دُور کی آواز

بُرا نہ مان، تو دامن سے چُن لوں اشک ترے
کہ میں ہی تھا تری دوشیزگی کا آئنہ ساز

ترے غرور میں پنہاں مرا غرورِ شکست
میں تیرے راز نہ کھولوں گا، میرے محرمِ راز

http://www.pakfunplace.com

ابھی کچھ اور سُلگنا ہے وقت کی لَو پہ
ابھی نہیں مرے معیارِ زندگی میں گداز

غبار، اوجِ بصارت ۔ ستارے بارِ نظر
بہت لطیف ہیں احساس کے نشیب و فراز

کچھ ایسا رزم ہُوا میرا ذوقِ خودنگری
مرے لیے مرا دشمن بھی ہے مرا دمساز

ندیم! فلسفۂ صبر کو دعائیں دیں
بایں غریب کُشی، جو رہے غریب نواز

اگست ۱۹۳۹ء

بن ہو، ابر ہو، تیز ہوا ہو
تیرے حسن کا دیا جلا ہو

پَو بھی پھٹی، طوفاں بھی اُٹھا
اب کوئی کیا جانے کیا ہو

آج کی کلیاں کب چٹکیں گی
شاید مستقبل کو پتا ہو

چاند بھی ساکن، وقت بھی ساکن
شاید تو کچھ سوچ رہا ہو

پت جھڑ میں کیوں پھول نہ ڈھونڈے
جس نے تجھے کھو کر پایا ہو

بیلیں سی بل کھاتی ہیں جب
کوئی سہارا ٹوٹ چلا ہو

تو نے یوں شرما کر دیکھا
جیسے تھک کر دیا بجھا ہو

میری تنہائی کی دعا ہے
تیرے ساتھ بھری دنیا ہو

وقتِ سحر یوں کلیاں چٹکیں
جیسے تیرا نام لیا ہو

انساں کا معیار یہی ہے
خوب دُکھی ہو، خوب اچھا ہو

دیئے بجھے ہیں، پھول کھلے ہیں
شاید یہ شہرِ اصبا ہو

تو کہتا ہے تارا ٹوٹا
اور اگر آنسو ٹپکا ہو!

۱۹۳۹ء

http://www.pakfunplace.com

○

افق نہاں ہے تو حدِّ نظر کا ذکر کریں
ستارے ڈوب رہے ہیں، سحر کا ذکر کریں

فضا کا ذکر کریں، بحر و بر کا ذکر کریں
بہت بلند ہے فردوس ۔ گھر کا ذکر کریں

صدف کو سامنے پا کر گہر کا ذکر کریں
نظر کے ساتھ ہی حسنِ نظر کا ذکر کریں

خزاں کو بوئے گل و نسترن سے بہلا دیں
اگر بہار نہیں، برگ و بر کا ذکر کریں

ہمیں تو عظمتِ انساں کو آزمانا ہے
حضورِ فلسفۂ خیر و شر کا ذکر کریں

فرار کا یہ نیا روپ ہے، اگر ہم لوگ
چراغ توڑ کے نورِ قمر کا ذکر کریں

ستارے کون چنے گا بدستِ زخم آلود
چلو غبارِ سرِ رہگزر کا ذکر کریں

اگر نہایتِ بے چارگی ہے چارہ گری
تو کس امید پہ زخمِ جگر کا ذکر کریں

تمام عمر کیے چاک دامنی کے گلے
بعزمِ بخیہ گری، بخیہ گر کا ذکر کریں

مرے ندیم! مری ذات کو سمجھ کر آپ
مرے کلام کے نقص و اثر کا ذکر کریں

۱۹۵۰ء

http://www.pakfunplace.com

بڑی مانوس لَے میں ایک نغمہ سُن رہا ہوں میں
کسی ٹوٹی ہُوئی چھاگل کی کڑیاں چُن رہا ہوں میں

یہاں اب اُن کے اظہارِ محبت کا گزر کیا ہو
کہ سنّاٹے کی موسیقی پہ بھی سر دُھن رہا ہوں میں

شبِ وعدہ ابھی تک ختم ہونے میں نہیں آئی
کہ برسوں سے مسلسل ایک آہٹ سُن رہا ہوں میں

تصوّر میں ترے پیکر کا سونا گھُل گیا ہوگا
ابھی تک لمس کی کیفیتوں میں بُن رہا ہوں میں

خدا کا شکر، احساسِ زیاں مرنے نہیں پایا
ستارے چننے نکلا تھا، شرارے چُن رہا ہوں میں ۱۹۵۰ء

ہجومِ فکر و نظر سے دماغ جلتے ہیں
وہ تیرگی ہے کہ ہر سُو چراغ جلتے ہیں

کچھ ایسا تند ہُوا جا رہا ہے بادۂ زیست
کہ ہونٹ کانپتے ہیں اور ایاغ جلتے ہیں

چٹک رہے ہیں شگوفے دہک رہے ہیں گلاب
وفورِ موسمِ گُل ہے کہ باغ جلتے ہیں

نہیں قریب تو کچھ دُور بھی نہیں وہ دور
شفق کے روپ میں جس کے سراغ جلتے ہیں

ترے نصیب میں راتیں، مرے نصیب میں دن
ترے چراغ، مرے دل کے داغ جلتے ہیں ۱۹۵۰ء

http://www.pakfunplace.com

○

اگرچہ آج وہ اگلا سا التفات نہیں
میں شکوہ سنج نہیں، تو خدا کی ذات نہیں
وہ نغمہ گر نہیں صرف ایک مرثیہ خواں ہے
کہ جس کے چنگ میں آہنگِ کائنات نہیں
مری شکست میں انسانیت ہے نالہ کناں
یہ سانحات فقط میرے سانحات نہیں
چراغِ راہ ہے سب، اعتبارِ خود نگری
فقط خدا کی پرستش رہِ نجات نہیں
میں گل کو دیکھ کے تخلیقِ گل کی سوچتا ہوں
گلوں کو دیکھتے رہنا تو کوئی بات نہیں
یہ راستے تو مرے ہاتھ کی لکیریں ہیں
جو تو رفیقِ سفر ہو تو رات، رات نہیں

سنہ ۱۹۵۰ء

○

ہم اپنی قوتِ تخلیق کو جگانے آئے ہیں
ضمیرِ ارتقا میں بجلیاں دوڑانے آئے ہیں
جو اگرچہ نفس میں ہیں گے اور کبھی خالی نہیں ہوں گے
ہم ایسے جام بزمِ دہر میں چھلکانے آئے ہیں
اجل کی رہزنی سے ہر طرف طاری ہیں سناٹے
سرودِ زندگی کو نیند سے چونکانے آئے ہیں
ہوائیں تیز ہیں، جل جل کے بجھتے ہیں چراغ اپنے
ارادے تند ہیں، ہم شمعِ نو بھڑکانے آئے ہیں
وہ دیوانے جو ہمت ہار کر بیٹھے تھے صدیوں سے
اب اپنی منجمد تقدیر سے ٹکرانے آئے ہیں
عروسِ زندگانی کا سوئمبر رچنے والا ہے
نئے ارجن مشیت کی کماں لچکانے آئے ہیں

اگست سنہ ۱۹۵۰ء

http://www.pakfunplace.com

○

چراغِ مردہ کو اک بار اور جگاؤں
دیا بجھے تو سحر کا فریب کیوں کھاؤں

خدا کے کام جو آئے، خدا بنائے گئے
میں سوچتا ہوں کہ انسان ہی کے کام آؤں

میں رنگ و نغمہ و رقصِ حیات ہوں یعنی
ضمیرِ دہر ہوں، شاہوں کے ہاتھ کیا آؤں

رچی ہوئی ہے رفاقت مرے رگ و پے میں
کچھ اس طرح کہ اکیلا چلوں تو گھبراؤں

ستارے ٹوٹ کے کلیوں کے روپ میں چٹکیں
ذرا زمیں کے سپندار کو جو اکساؤں

کسی کی زلف بھی منت پذیرِ شانہ سہی
مگر میں گیسوئے گیتی تو پہلے سلجھاؤں

کئی برس سے مجھے مل رہا ہے درسِ خودی
یہی کہ تیرِ گیوں میں ہوا سے ٹکراؤں

میں اب سے دور فرشتوں کے گیت گاتا رہا
یہ آرزو ہے کہ اب آدمی کو اپناؤں

۱۹۵۰ء

http://www.pakfunplace.com

○

ہوا لپکتی رہے، میرا کارواں تو چلے
برا نہیں اگر اک بار پھر چراغ جلے

غمِ حیات سے لوں گا رمِ حیات کا درس
تمام عمر شکستوں پہ کون ہاتھ ملے

کسے خبر کہ دھڑکتا ہے آفتابِ سحر
ٹھٹھرتے بھیگتے تاروں کی نرم چھاؤں تلے

کرو نہ راہنماؤں کے عہد و پیماں پر
یہ وہ چمن ہیں جو پھولے مگر کبھی نہ پھلے

کسی کے طرزِ بیاں کا فریب کیوں کھاؤں
کہ بات ایک ہے۔ سائے رہیں کہ دھوپ ڈھلے

زمیں کا درس نمو کس طرح قبول کریں
جو ایک عمر خلا میں رہے، فلک میں پلے

ندیمؔ جن کے ارادوں میں ڈھل رہی ہے حیات
ہم ایسے "فن کے اماموں" سے وہ عوام بھلے

سنہ ۱۹۵۰ء

○

یوں بیکار نہ بیٹھو دن بھر، یوں پیہم آنسو نہ بہاؤ
اتنا یاد کرو کہ بالآخر آسانی سے بھول بھی جاؤ

سارے راز سمجھ لو لیکن خود کیوں ان کو لب پر لاؤ
دھوکا دینے والا روئے، ایسی شان سے دھوکا کھاؤ

ظلمت سے مانوس ہیں آنکھیں، چاند ابھرا تو مند جائیں گی
بالوں کو الجھا رہنے دو، اک الجھاؤ سو سلجھاؤ

کل مجھ پر الزام تھا سارا، آج توفق ہے رنگ تمہارا
کل تم مجھ سے شرمائے تھے، آج آئینے سے شرماؤ

پہلو تو لٹ جائے گا لیکن آنکھیں تو ویران نہ رہیں گی
بے شک میرے پاس نہ بیٹھو لیکن اتنی دور نہ جا

http://www.pakfunplace.com

رس کا زمانہ بیت چکا ہے، اب مس ہے معراجِ محبت
میں اِس دَور کا دیوانہ ہوں، دل میں نہیں، نظروں میں سماؤ

کل کو کل پر رکھو، جب کل آئے گا دیکھا جائے گا
آج کی رات بہت بھاری ہے، آج کی رات یہیں رہ جاؤ

کب تک یوں پردے پردے میں حسن محبت کو جھٹلاتا
موت کا دن بھی حشر کا دن ہے، چھپنے والو، سامنے آؤ

دورِ خزاں میں سنتا ہوں تخلیق کا یہ آہنگِ مسلسل
کلی کلی کی نرم چٹک میں پھولو! میری آہٹ پاؤ

مرنے سے کچھ کام چلا تو اے دم سازو مر بھی لیں گے
مرنا تو برحق ہے لیکن تم جینے سے باز نہ آؤ

سنہ ۱۹۵۱ء

ندیم اگرچہ زمانے سے سرکشیدہ رہا
نگاہِ اہلِ محبت میں برگزیدہ رہا

وہ ایک حسن، کہ چھونے سے جیسے لُٹ سا گیا
وہ ایک عشق، کہ لُٹ کر بھی نو دمیدہ رہا

بھرم ہو کچھ تو مرے آنسوؤں میں دیکھ اسے
جو راز کھُل بھی گیا اور ناشنیدہ رہا

الٰہی! حشر میں انساں سے یہ مواخذہ کیوں!
تو نارسیدہ رہا، وہ فریب دیدہ رہا

شکایت اپنے توکل سے ہے، خدا سے نہیں
کہ میرا دامنِ امید ہی دریدہ رہا

خرد جو عام ہُوئی، حسنِ کائنات بنی
خود اپنی دُھن میں دلِ کائنات دیدہ رہا

سنا ہے، آج مشیت پہ ڈالتا ہے کمند
وہ آدمی جو ازل سے ستم رسیدہ رہا

سنہ ۱۹۵۱ء

http://www.pakfunplace.com

○

نمی میں ڈوب کے ٹھنڈی ہوائیں آئی تو ہیں
برس بھی جائیں گی آخر، گھٹائیں چھائی تو ہیں

خدا کا شکر، دھواں چھوڑتی ہوئی شمعیں
کسی خیال کے آتے ہی جگمگائی تو ہیں

لہو کے ساتھ شرارے جھڑیں تو بات بنے
بجا کہ آپ نے چوٹیں دلوں پہ کھائی تو ہیں

یہیں سے رنگِ رُخِ روزگار بدلے گا
کتھائیں دل کی بالآخر لبوں تک آئی تو ہیں

اب اس کے بعد مجھے فکر کیا کہ ہوگا کیا
وہ آنکھیں آج مرے غم پہ ڈبڈبائی تو ہیں

۱۹۵۱ء

○

کیا ترے لطف کا معیار زباں بندی ہے؟
بات بے بات بدل جاتے ہیں تیور تیرے

اک ہمیں کو نہ تجھے اپنا بنانا آیا
انجمن تیری ہے، مے تیری ہے، ساغر تیرے

یہی عنوانِ کرم ہے تو زہے لطف و کرم
سانس چلتی ہے تو چلتے رہیں نشتر تیرے

میں ترا عذرِ ستم مان تو لوں گا لیکن
اس طرح اور بھی کھل جائیں گے جوہر تیرے

اے مری قوم! مرا ذوقِ سفر کفر سہی
اور اگر دائرے بنتے رہیں رہبر تیرے!

۱۹۵۱ء

http://www.pakfunplace.com

رخصت کے وقت کس کے بہکنے لگے قدم
قائم نہ رہ سکا ترے پندار کا بھرم

گلشن میں جتنے پھول کھلے، زخم بن گئے
خونِ بہار سے ہے جمالِ بہار نم

کوشش کے باوجود ابھی تک نہ چھپ سکے
زلفوں کے پیچ و خم میں زمانے کے پیچ و خم

صد شکر، تو نے خواب سے چونکا دیا مجھے
صد شکر، ہو رہا ہے ترا التفات کم

ذوقِ عبودیت ہے بہر رنگ حیلہ ساز
سجدے کے ساتھ ذہن میں ڈھلنے لگا صنم

تخلیقِ فن کروں گا بعنوانِ ارتقا
جس ہاتھ میں قلم ہے اسی ہاتھ کی قسم

۱۹۵۱ء

آشوب بدل، خاک بسر، جاں بلب آئے
جب آئے تری بزم میں ہم باادب آئے

جب تک تری دزدیدہ نگاہی ہے حیا بیز
کس طرح ہمیں آنکھ ملانے کا ڈھب آئے

وعدہ تو ہے شب کا، مگر اب دن نہ کٹے گا
حیراں ہوں کہ یہ آج کی شب جانے کب آئے

آفاق میں پھولوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا
جب میرے لبوں تک کسی کافر کے لب آئے

نومیدیِ جاوید کا اللہ رے اعجاز
آئے مری آغوش میں اور بے طلب آئے

میں وقت کے ظلمات میں حیران کھڑا ہوں
اللہ! مرا انجمن افروزِ شب آئے

کیمبل پور جولائی ۱۹۵۱ء

http://www.pakfunplace.com

○

ہوتا نہیں ذوقِ زندگی کم
بنیادِ حیات ہے ترا غم

احساسِ جمال اُبھر رہا ہے
جب سے ترا التفات ہے کم

تیرے ہی غموں نے مجھ کو بخشی
کوندے کی پلک، غزال کا رَم

سامانِ ثبات ہیں سفر میں
اُمید کے پیچ، راہ کے خم

زخموں میں چمک رہی ہیں کلیاں
ہوتی ہے یونہی بساط برہم

شمعوں کی لَویں ہیں یا زبانیں
آنسو ہیں کہ احتجاجِ پیہم

انجم سے کھلائے گی شگوفے
شبنم سے لدی ہُوئی شبِ غم

طوفان کا منتظر کھڑا ہے
یہ عینِ سحر کو شب کا عالم

ڈسٹرکٹ جیل کیمبل پور ۱۹۵۱ء

http://www.pakfunplace.com

ہمہ سرمایۂ دامانِ چمن ریشۂ گل ہو کہ سورج کی کرن
ہمہ اضداد ہے کردارِ جمال صبح کا نور ہے تاروں کا کفن
ٹوٹتا ہے جو ستارہ کوئی پھیلتی ہے مرے ماتھے کی شکن
وقت کی آنکھ بنا جاتا ہے تیرہ و تارِ قفس کا روزن
آج کچھ ذکرِ رفو کا بھی چلے کب تلک چاک کروں پیراہن
مجھ کو آنکھوں کی چکاچوند سے کام! ذہن روشن ہے تو دنیا روشن
ہم نہ بدلیں گے اگر اپنا آپ کون بدلے گا زمانے کے چلن
رات کو آگ نہ لگ جائے کہیں آنچ دیتے ہیں ستاروں کے بدن

فن کے صحراؤں پہ ساون کی گھٹا
میرا بدلا ہوا اندازِ سخن

۱۹۵۲ء

بہار جب بھی چمن میں دیئے جلاتی ہے
ہجومِ گل سے مجھے تیری آنچ آتی ہے
بہ فیضِ لذتِ تخلیق، خون ہو کے کلی
خود اپنے زخم کے پردے میں مسکراتی ہے
وفورِ رنگ میں گھلنے لگی ہے کیوں شبنم
عروسِ گل کو اگر آئینہ دکھاتی ہے
یہ شب ہے یا شفق افشانیوں سے گھبرا کر
نگارِ شام حیا سے لٹیں گراتی ہے
یہ کائنات کا آہنگ ہے کہ سحرِ حیات
چٹک کلی کی، ستاروں کو گدگداتی ہے
یہ رودِ آب، یہ تارے، یہ شہرِ لالہ و گل
ابھی وہ آنہ چکے اور رات جاتی ہے

۱۹۵۲ء

http://www.pakurdubooks.com

○

میرے ہونٹوں پہ نہیں تیرے گلے
یہ تو ہیں عرضِ محبت کے صلے
چلمن اُٹھی کہ خزاں ختم ہوئی
آج تو پھول سرِ بام کھلے
چاک مہکے، مگر اے فصلِ بہار
ریشۂ گل سے گریباں نہ سلے
وقت ساکن بھی ہے، جولاں بھی ہے
چاند جس طرح ببولوں میں رہے
غیر فانی ہی رہیں امیدیں
جب بھی یہ زخم سلے اور چھلے
جستجو موت سے کیسا بہلے گی
ٹوٹ کر بھی تو ستارے نہ ملے

۱۹۵۲ء

○

رہے اسیرِ قفس در قفس بہار میں ہم
مگر حقیر نہ تھے چشمِ روزگار میں ہم
کسی نے جس میں امیدِ سحر دلائی تھی
بھٹک رہے ہیں اسی رات کے غبار میں ہم
وہ ایک درد بنا زندگی کا سرمایہ
جسے پرو نہ سکے آنسوؤں کے تار میں ہم
وہ آئے بھی تو بگولے کی طرح آئے گئے
چراغ بن کے جلے جن کے انتظار میں ہم
یہ اور بات کہ انجان بن گئے، ورنہ
ترے خرام کو پہچان لیں ہزار میں ہم
ترا جمال ہے یا خواب سایۂ گل میں
پگھل رہے ہیں اُترتے ہوئے خمار میں ہم
کبھی بہار بنے اور کبھی شکستِ بہار
ندیم! جم نہ سکے حسن کے حصار میں ہم

۱۹۵۲ء

http://www.pakfunplace.com

○

دمک رہا ہے رُخِ شام پر ستارۂ شام
غروبِ مہر پہ اب کون دھر سکے الزام

اس ایک پل میں یہاں ایک عمر بیت گئی
تری نگاہِ کرم ہے کہ گردشِ ایام

گلوں کے اُڑتے ہُوئے رنگ کی تلاش میں ہوں
یہی نہ ہو مرے ذوقِ جمال کا انجام

بایں خمار، زمانے کا ساتھ دیتا ہوں
زمیں سے اُٹھ نہ سکا میری سرخوشی کا مقام

یہ سوچتا ہوں کہ پھولوں کے رقص کی بنیاد
نہ جانے بادِ چمن ہے کہ تیرا حسنِ خرام

بھٹک رہا ہوں حقیقت کی تیرگی میں، مگر
چراغِ فکر ہے اب تک مرا گلاب اندام

کسی کی تشنہ لبی رنگ لا رہی ہے، کہ آج
لہو لہو ہے ترے ہاتھ میں شراب کا جام

ضرور دامنِ شب سے ڈھلک رہی ہے سحر
کہ بھیجتے ہیں ستارے بھی تیرگی کو سلام

ندیم سینۂ گیتی سے جب بھی ہُوک اٹھی
مری نگاہ جمی رہ سکی نہ برسرِ بام

۱۹۵۲ء

http://www.pakfunplace.com

○

قرارِ جاں بھی تمہی، اضطرابِ جاں بھی تمہی
مرا یقیں بھی تمہی ہو، مرا گماں بھی تمہی

تمہاری جان ہے نکہت، تمہارا جسم بہار
مری غزل بھی تمہی، میری داستاں بھی تمہی

یہ کیا طلسم ہے، دریا میں بن کے عکسِ قمر
رُکے ہُوئے بھی تمہی ہو، رواں دواں بھی تمہی

خدا کا شکر، مرا راستہ معیّن ہے
کہ کارواں بھی تمہی، میرِ کارواں بھی تمہی

تمہی ہو جس سے ملی مجھ کو شانِ استغنا
کہ میرا غم بھی تمہی، غم کے رازداں بھی تمہی

نہاں ہو ذہن میں وجدان کا دھواں بن کر
افق پہ منزلِ ادراک کا نشاں بھی تمہی

تمام حسنِ عمل ہو، تمام حسنِ بیاں
کہ میرا دل بھی تمہی ہو، مری زباں بھی تمہی

۱۹۵۲ء

○

لپکیں گے پلٹ کے پھر وہاں سے
بھٹکے تھے یہ کارواں جہاں سے

اِک ٹیس فضا کے دل میں اُٹھی
یا تیر نکل گیا کماں سے

بیداریٔ شب کے بدلے ہم نے
دن پائے، مگر دھواں دھواں سے

ہر گُل ہے پناہ گاہِ زنبور
گُل چیں کو گلہ ہے باغباں سے

پھولوں کی بھی خاک اُڑا رہے ہیں
لپٹے ہیں جو دامنِ خزاں سے

http://www.pakfunplace.com

جو پیار نہ کر سکے زمیں سے
پائیں گے نہ بھیک آسماں سے

کچھ اور نہیں تو حشر ٹوٹے
اب خواب تو ہو چلے گراں سے

ہم آبلہ پا ہی، اے زمانے!
اُلجھیں گے ترے یم رواں سے

اُڑتا ہے مذاق بجلیوں کا
اب پھول گریں گے آسماں سے

یزداں پہ جھپٹ پڑے گا ابلیس
انسان ہٹا جو درمیاں سے

گنجینۂ وقت بن گئی ہے
جو بات نکل گئی زباں سے

۱۹۵۲ء

(۶)

متفرقات

http://www.pakfunplace.com

مطلع

ہر ایک شے پہ اُجالا سا ہلکا ہلکا ہے
ترا خیال ہے یا صبح کا دھندلکا ہے

○

چاند ہے، پھول ہیں، لبِ جُو ہے
میرے پہلو میں دل نہیں، تُو ہے

○

لُٹ کر بھی کوئی دشتِ جنوں کی نہ راہ لے
اپنی شکست ہی میں محبت پناہ لے

○

یہ کون دور سے دامن کشاں گزرنے لگا
چراغ لو کو ہَوا کے سپرد کرنے لگا

○

کرن کا رنگ فریبِ نگاہ ہوتا ہے
ثواب اصل میں عذرِ گناہ ہوتا ہے

http://www.pakfunplace.com

جب بھی جی میں امنگ پاتا ہوں　　اک کلی زیرِ سنگ پاتا ہوں

○

جس قدر رنگ اختیار کیے　　صرفِ ہنگامۂ بہار کیے

○

مسلسل سرخوشی مرگِ مسلسل ہوتی جاتی ہے
کہ تیرے قرب سے اک عمر اک پل ہوتی جاتی ہے

○

خمِ ابرو خمِ محراب نہ تھا　　یہ تو اک واقعہ تھا، خواب نہ تھا

○

عشق سے گرمیاں حیات کی ہیں　　سب تفاصیل ایک بات کی ہیں

○

منعکس ہے حباب میں مہتاب　　دونوں موریز، دونوں پا بہ رکاب

○

رقصاں ضمیرِ دہر میں کیسی امنگ ہے
ہر پل رخِ جہاں پہ نئی موجِ رنگ ہے

شاید یہی تضاد قیامت کی جان ہے
فطرت ضعیف ہے مگر انساں جوان ہے

○

سفینہ جب اپنے سہارے چلا
زمانہ کنارے کنارے چلا

○

کس درجہ منحنی نظر آتے ہیں دور سے
وہ قافلے جو رُک نہ سکیں گے حضور سے

○

کتنا بلند، کتنا انوکھا مقام ہے
انسان اک تسلسلِ شیریں کا نام ہے

○

معمارِ انقلاب و ضمیرِ عوام ہو
آزاد مملکت کے اسیرو! اسلام ہو

○

زندگی کے سانچے میں جو نظام ڈھلتا ہے
زندگی کے سانچے کو توڑ کر نکلتا ہے

http://www.pakfunplace.com

وہ جن کو لوگ حقیقت پرست کہتے ہیں
حقیقتوں کے تصور میں مست رہتے ہیں

○

جاگنا ہے ابھی بہاروں کو — نیند کیوں آ چلی ستاروں کو

○

بہارستانِ آزادی میں ہر گل شعلہ گوں کیوں ہے
ہجومِ رنگ میں رچی ہوئی سی بوئے خوں کیوں ہے؟

○

عجیب درد بھری لذتیں بہاریں ہیں
کہ جتنے پھول ہیں، شبنم کے انتظار میں ہیں

○

کتنا رنگیں مرے فن کا مجھے انعام ملا
مرحبا زخم شماری کا کڑا کام ملا

○

تمہیں خلعت کے بدلے فرشِ پا انداز ملتا ہے
یہیں سے بات کھلتی ہے یہیں سے راز ملتا ہے[1]

---

[1] پاکستان کے چند شعراء کو شاہِ ایران نے قالین بھجوائے تھے۔

مسافرو، کوئی شب بیکراں نہیں ہوتی — یہ ظلمتوں کی پہیلی کہاں نہیں ہوتی

○

چمن میں اہلِ چمن درپئے چمن ہوں گے
خبر نہ تھی کہ بہاروں کے یہ چلن ہوں گے

○

اگرچہ مسلکِ ماضی رہا ہے آگ ہی آگ
اجڑ سکا نہ مگر مادرِ زمیں کا سہاگ

اشعار

تجھے نصیب ہو تیری بہار سامانی — مری خزاں سے مگر قصۂ بہار نہ پوچھ

○

ہنسے تو مجھ پہ ہنسے اور وہ بھی برسرِ عام
سنا ہے آپ تو ڈرتے تھے جگ ہنسائی سے

○

تم اتنی دور سے چل کر مرے قریب آئے
تو اب قریب ہی بیٹھو، تھکن مجھے دے دو

http://www.pakfunplace.com

وہ روشنی جو تیرے تبسم نے عام کی
سمٹی تو ان دنوں مرے اشکوں کی ضو میں ہے

○

مسکرانے کا یہی انداز تھا
جب کلی چٹکی تو وہ یاد آ گئے

○

کچھ درگذر کا کیش، کچھ ایثار کا کمال
ورنہ وہ کون ہے جو کسی سے نباہ نے!

○

تفسیرِ زندگی تھا یقیناً مرا سکوت
میں شرحِ داستاں کا مگر مدعی کہاں

میری وفا کو سارے جہاں کے ستم قبول
تیرے کرم کو ایک نظر کاریاں گراں

○

نجوم دور سہی، کارواں نواز تو ہیں
نگہ نہیں تو گمانِ نگاہ کیا کم ہے

غلط ہے غلغلۂ زہد و اتقا کہ ندیم
گناہگار نہیں۔ یہ گناہ کیا کم ہے

بہت قریب نہ آؤ، کہ دور سے بھی ہمیں
وہ آنچ آئی کہ مرجھا گئے دلوں کے چمن

○

زیست تم، زیست کا تقاضا تم
اور کس سے کریں شکایت ہم

ابدیت یہی جمود نہ ہو
آؤ برپا کریں قیامت ہم

اے ستارہ نشیں! چمن پیما!
مانگتے ہیں ثبوتِ وحدت ہم

انجمن ساز! انجمن آگاہ!
جل بجھے مثلِ شمعِ خلوت ہم

○

یوں بھی ہوتا ہے کہ طوفان کی زد میں آ کر
بادل اُمڈے ہوئے طوفان پہ چھا جاتے ہیں

○

تجھے یقیں کہ ترا حسن ہے سپر در نقاب
مجھے یہ فکر کہ تارے چھپے نہیں رہتے

○

مدت کے بعد اذنِ تبسم ملا ہمیں
وہ بھی کچھ ایسا تلخ کہ آنسو نکل پڑے

http://www.Pakfunplace.com

صبح کی دھن میں ستاروں کو بجھایا میں نے
قبل از وقت مگر پَو کا بکھرنا معلوم:

○

اپنے ذوقِ نظر کا ماتم ہے تیرگی ایک سیہ نور سہی

○

کئی چراغ کئی آئنوں میں عکس فگن
میں راہ بھول گیا تھا اسی چراغاں میں

○

ایک صحرائے بیکراں ہے جہاں وقت اک بے قرار آہو ہے

○

جس کے موڑوں پہ لٹایا گیا انساں کا سہاگ
میں تو اس راہ کو تلووں کا لہو تک بھی نہ دوں

○

سجدہ اظہارِ ماندگی ہی تو ہے سانس پھولی تو کوہ خدا سے لگی

○

جیتے ہیں جو مرنے کی تمنا میں ندیم
وہ موت سے پیشتر ہی مر جاتے ہیں

سکوں میں رقص کناں، رقص میں سکون پذیر
خرامِ حسن کا آئینہ ہے خرامِ حیات

○

یہ کیا طلسم ہے، آئے ہو تم چمن بکنار
مگر چمن کے چمن انتظار کرتے ہیں

○

کوئی کلیم نہیں آج دسترس میں مگر
جبینِ حضرتِ انساں میں طور کی لَو ہے

یہ اور بات کہ جلتا ہے قصرِ سلطانی
یہ آگ آگ نہیں، پھوٹتی ہوئی پَو ہے

بھلا سحر بھی چھپائے سے چھپ سکی ہے ندیم
گھٹا کے حاشیے پر آفتاب کی ضَو ہے

○

وہ کفر ہے ایمان کی معراجِ کمال
جس کفر کو انساں سے محبت ہو جائے

—

http://www.pakfunplace.com